

قرآن و سنت کی روشنی میں

دعوت و تبلیغ

کے تقاضے

تالیف

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحب  
نور اللہ مرقدہ  
سابق چیئرمین عربک ڈیپارٹمنٹ پشاور یونیورسٹی

سلیمان اکیڈمی

اشرف منزل اسلامیہ کالج لہیاور

## پہلا نمبر۔ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ

حضرت پہلے نمبر پر کچھ لکھنا چاہتے تھے لیکن صحت نے اسکی اجازت نہیں دی۔ حضرت حاجی شہر حسن صاحب نے چپ یہ بیان جو حضرت والا کا بائبل نمبر 6 میں بعد از نماز مغرب جاری 16 اپریل 1969 کو ہوا تھا پڑھ کر سنایا تو حضرت نے فرمایا کہ اس کو میرے ساتھ رکھ لیں میں کلمہ پر لکھنے میں اس سے استفادہ کروں گا لیکن مضمون لکھنے سے پہلے حضرت نے وار فضا سے وار جہا کو رحلت فرمائی۔ بعد میں مפורہ ہوا کہ پہلے نمبر کیلئے اس بیان کو ہی من و عن شامل کیا جائے اسلئے اسکو حسب مפורہ شائع کیا جا رہا ہے۔ (نعمان علی حد)

### کلمہ پر بیان

خطبہ ماثورہ اور سورہ جمعہ کے شروع کے چار آیات تلاوت کرنے کے بعد فرمایا! میرے عزیزو اور دوستو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں جملہ خیریں دے کر مبعوث فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اس عالم میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے تمام کمالات انعامات انوارات بھلائیوں اور خوبیوں کو لے کر آئی جو کہ انسان اپنی استعداد کے لحاظ سے کسی صورت میں بھی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ انسان کی ترقیات کا جو اوج کمال ہے یا ترقی کے جس زینہ پر روحانی و مادی طور پر پہنچ سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ تمام طریقے لے کر آئے جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان طریقوں کو فرد کے حیثیت سے یا جماعت و قوم کی حیثیت سے اپنائے گا اللہ تعالیٰ اس پر دینی و دنیاوی ترقیات کے روازوں کو کھول دینگے۔ پوری کائنات ان کے سامنے جھک جائیگی اور یہ انسان فرشتوں سے اونچا ہوگا۔ پوری مخلوق کی عزت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایک مسلمان کے برابر نہیں ہوگی۔ مسلمان کمال و عزت والا ہوگا۔ اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے زیادہ سے زیادہ لے گا اور آخرت میں وہ دیا جائیگا کہ نہ

آنکھوں نے دیکھا ہوگا نہ کانوں نے سنا ہوگا اور نہ کسی کے دل پر اس کا خطرہ گزرا ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کے ساتھ زمین و آسمان، دنیا و آخرت کے تمام خزانوں کی چابیاں مسلمانوں کے آگے ڈال دی ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو طریقے عطا فرمائے ہیں اگر ہم ان کو اپنائیں اور ان کی قدر کریں اور ان طریقوں کی عظمت ہمارے دلوں میں پیدا ہو جائے اور ہم یہ یقین کریں کہ تمام کامیابیوں کا راز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو اختیار کرنے میں ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی برکات کے دروازوں کو کھول دیگا۔ جب مسلمان غیروں کے طریقوں سے نگاہ ہٹائے، منہ کو موڑ لے اور کلیتاً اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کر کے زندگی کا کمال و شرف و عزت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں میں سمجھے تو اللہ تعالیٰ پوری مخلوق کو اس کے سامنے جھکا دے گا

قرآن شریف میں آتا ہے سَخَّرَ لَہُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مسخر کئے ہیں جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ آسمانوں سے فائدے حاصل کر سکتے ہو، زمینوں سے حاصل کر سکتے ہو، اللہ کی ساری مخلوقات سے حاصل کر سکتے ہو اگر نگاہ ایک اللہ پر جم گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں میں کامیابی کو جان لیا۔ کلمہ شریف لا الہ الا اللہ کو مفتاح الجنۃ کہتے ہیں۔ مفتاح چابی کو کہتے ہیں یعنی جنت کی چابی مثلاً یہ کمرہ بند ہے اور کمرہ کے اندر دنیا و مافیہا کی تمام نعمتیں اور قیمتی اشیاء بند ہوں اور کمرے کو تالا لگا ہوا ہو اور سوائے اس تالے کے کھولنے کے اس کمرے میں جانے کی اور کوئی صورت نہ ہو اور وہ تالا بغیر چابی کے نہ کھلتا ہو تو ان تمام نعمتوں اور قیمتی اشیاء کا حصول بغیر چابی کے ناممکن ہوگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک چابی لا الہ الا اللہ کی دی ہے جب

آپ اس کو جنت کے قفل میں لگا دیں گے تو قفل کھل جائیگا اور دروازہ کھل جائیگا۔ اور تمام نعمتیں مل جائیں گی۔ جس طرح کمرے کی نعمتوں کا حصول چابی کے ذریعے سے ہے اسی طرح ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر لا الہ الا اللہ حقیقت کے ساتھ آئے اور ہم اس پر یقین اور عمل کرنے والے بن جائیں تو

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

یہ دنیا تمہاری جھولی میں ڈال دیں گے آخرت جھولی میں ڈال دی جائیگی اور اس دنیا اور آخرت کی نعمتوں کا کیا کنا، اللہ تعالیٰ خود تمہارے ہو جائیں گے۔ ان تمام نعمتوں کے حصول اور اللہ تعالیٰ کے حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور نرے بول نہ ہوں بلکہ اس کی حقیقت موجود ہو۔ غیر نرے بول بھی بہت قیمتی ہیں لیکن اصل چیز حقیقت و معنی ہے کہ کہنے کے ساتھ یہ یقین ہو کہ ہم خدا کی الوہیت اور اللہ سے ہونے کا اور اللہ سے ملنے کا یقین و اقرار کرتے ہیں اور غیر سے انکار کر رہے ہیں، خدا کے سوا تمام غیر سے زندگی ٹوٹ رہی ہے اور غیر کو اپنے دلوں سے خارج کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اپنے دلوں میں بسا رہے ہیں۔ ہمارا ٹھکانا، ہمارا مقصود، ہمارا لہجہ، وادی اور تمنائوں کا مرکز اور خیروں کے حصول کا ذریعہ بس صرف ایک اللہ ہے۔ میں اس کے سوا کسی کا طالب نہیں اگر مجھے کسی چیز کی ضرورت پڑے گی تو اس کے سامنے دامن اور ہاتھ پھیلاؤں گا اور غیر کے آگے ہرگز نہیں پھیلاؤں گا۔ اگر پھیلا دیا تو عہد ٹوٹ گیا۔ اے اللہ میں نے ہر ایک سے توڑا اور تجھ سے جوڑا۔ اے اللہ تجھ ہی سے بنتا ہے اور تجھ ہی سے بگڑتا ہے۔ عزت تجھ سے ملی گی۔ رزق کی کمی و زیادتی تیری ذات سے ہے۔ غیر کے پاس کچھ نہیں۔ جو تو دینا چاہے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو نہ دینا چاہے کوئی دے



نہیں سکتا۔ سب کچھ تیرے پاس ہے مخلوق کے پاس کچھ نہیں۔ میں دیوانہ اور پاگل نہیں کہ جس کے پاس کچھ نہیں اس کے پاس جاؤں۔ میں ہر چیز کو تیری ذات میں دیکھتا ہوں بس ہر تمنا کو دل سے رخصت کرنے کا نام، ہر خواہش و چاہت اور غیر کو دل سے نکالنے کا نام اور خدا کے یقین، محبت و خشیت کو دل کے اندر بسانے کا نام لا الہ الا اللہ ہے۔ لا الہ الا اللہ کی حقیقت جب کھل جائے اور خدا کے انوارات و تجلیات کو دیکھیں اور یقین ایسا آ جائے کہ سب کچھ خدا سے ہو رہا ہے جیسے ہنکھا خود بخود نہیں چل رہا ہے کوئی چلا رہا ہے پیچھے بجلی کی کرنٹ ہے جو دکھائی نہیں دیتی۔ اس بجلی کی کرنٹ کے ذریعہ سے ہنکھا چل رہا ہے اسی طور پر خدا کی قسم مخلوق سے کچھ نہیں ہو رہا ہے۔ میرے خدا کی قدرت و طاقت سب کچھ کر رہی ہے۔ جیسے بجلی دکھائی نہیں دیتی مگر ہنکھا کے چلنے سے محسوس کی جاسکتی ہے اسی طرح خدا کے احساس کے پیدا کرنے کا نام اور یقین کے پیدا کرنے کا نام ایمان ہے۔ وہ خالق ہے، وہ باری ہے، وہ مصور ہے۔ جب مخلوق کو دیکھو تو مخلوق کی طرف رجحان اور دھیان نہ جائے بلکہ بنانے والے کی طرف نظر جائے کہ یہ میرے اللہ کی کاریگری ہے۔ صورت کو دیکھو تو مصور پر نگاہ جائے۔ میرے اللہ نے اس صورت و شکل کی صورت گری کی ہے۔ اس دنیا میں کتنے انسانوں کی شکلیں ہیں کیا یہ خود بنے یا والدین نے ان شکلوں کو بنایا؟ سب کے سب ایک اللہ نے بنائے اور اس کے ہاں شکلوں کے خزانے ہیں اور ایسی جگہ میں بنائے کہ نہ تم دیکھ سکتے ہو نہ میں دیکھ سکتا ہوں۔ بصورت کم فی الارحام کیف یشاء۔ ماں کے رحم میں شکل کو بنایا۔ جس طرح چاہا، جیسا چاہا بنایا اور عین اندھیروں (فی ظلمت ثلاثہ) میں بنایا۔ کیا ہم 5000 واٹ کے بلب کی روشنی میں ایک آنکھ یا کان یا پاؤں بنا سکتے ہیں۔ اس نے عین اندھیروں کے اندر کان دل دماغ جگر آنکھ اور تمام اعضاء

جسمانی بنائے۔ دماغ میں کتنی باریک رگیں ہیں۔ اگر ایک آدھ آگے پیچھے ہو جائے تو بڑ بیٹھ جائیگا۔ دل کی حرکت تھوڑی دیر کیلئے بند ہو جائے تو قصہ ختم ہو جائے۔ میں نے جرمنی میں ڈاکٹر کو کان دکھائے تو اس نے کہا کہ کان میں ہلکی پھلکی ہڈیاں ہیں وہ جم گئی ہیں ہم نے کبھی محسوس بھی نہیں کیا کہ یہ ہڈیاں ہل رہی ہیں اور آواز پہنچ رہی ہے۔ ہمارے بول کہاں سے آرہے ہیں۔ جو ہمارے ذہن میں ہے وہ تو اتر کے ساتھ زبان بول رہی ہے یہ کس کا کرشمہ ہے خلق الانسان وعلمہ البیان۔ گونگا کبھی بول سکتا ہے زبان تو اس کی بھی ہوتی ہے یہ تو بلوانے والا بلواتا ہے۔ کان سنتا نہیں سنوانے والا سناتا ہے۔ جو سب کچھ کرنے والا ہے ہماری نگاہ اس کی طرف جائے۔ یہ ایک نقشہ اللہ نے بنایا ہے کہ شکلوں پر نگاہ ڈالے تو شکلوں کے بنانے والے کی طرف نگاہ اٹھے۔

اے مصور تیرے ہاتھوں کی بلائیں لے لوں

خوب تصویر بنائی میرے بہلانے کو

کیسے نقشے قائم کئے۔ پھولوں کو دیکھو، کلیوں کو دیکھو، چاند ستاروں کو دیکھو، پانی کے قطروں کو دیکھو، اپنے اندرون میں غور کرو صنع الذی اتقن کل شئی۔ یہ کاریگری ہے اس ذات کی جس نے ہر چیز کو کمال کے ساتھ بنایا۔ لا الہ الا اللہ کیا ہے؟ کوئی خالق نہیں سوائے اللہ کے۔ کوئی بنانے والا نہیں سوائے اللہ کے۔ کوئی رازق نہیں سوائے اللہ کے۔ کوئی اولاد کا دینے والا نہیں سوائے خدا کے۔ سب کچھ خدا کرتا ہے۔ سوچا کرو کہ دل میں خدا کتنا ہے اور غیر کتنا ہے۔ اگر اور کچھ نہیں کر سکتے تو یہ دل کل کا کل میرے خدا کو دے دو وہ اس کو ضائع نہیں کرے گا۔ وہ اس کو بنائے گا اور ان مقامات پر پہنچائے گا جہاں کا تم کو وہم و گمان بھی نہیں۔ دل میں راحت و چین کی ایک حیات پیدا کرے گا۔ جب دل کی طرف

نگاہ کرو گے تو سمجھو گے کہ بشت یہی ہے اور جب مخلوق کی طرف نگاہ کرو گے تو کہو گے کہ کس مصیبت میں کچھ گیا۔

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیر و سمن در آ  
توزہ عنچہ گل کم نہ دمیدہ انی درد دل کشا بہ چمن در آ  
سوچو کہ اگر غیر کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تو مصیبت میں گرفتار ہوتا ہوں۔  
سر کو جھکا کر بہار دل کے مزے لوٹو۔ باہر کی بہاروں کو دیکھتے ہو اپنے دل کی  
بہار کو دیکھو۔ دل میں گل بوٹوں کو دیکھو۔ جب دل کی طرف متوجہ ہو تو خدا کی  
گزرگاہ دکھائی دے۔ دل تو خدا کا مقام ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے انوارات کا محل  
ہے۔

ہر لحظہ شان حسن بدلتی رہی جگر

ہر آن اک جہاں دگر دیکھتے رہے

کل یوم ہو فی شان۔ ہر آن ایک تجلی بھی ہر آن ایک ادا۔ دل کو بناؤ گے  
تو پتہ چلے گا۔ مثال کے طور پر میں ایک ڈبہ (ریڈیو کیونکہ اس زمانہ میں ٹی وی عام  
نہیں ہوا تھا) لگا کر رکھ دوں۔ میں اس کے گونے (بن) پھراتا ہوں۔ پشاور کو بھی  
نہیں پکڑتا۔ میں نے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ میرا ڈبہ ٹھیک نہیں۔ مجھے کہا گیا کہ  
اس میں مشینری اور واٹو نہیں ہے، یہ صرف ڈھانچہ ہے۔ گوٹوں کا تعلق تو اندر کے  
ساتھ ہے جب واٹو ہو اور مشینری بھی درست ہو تو لندن کو بھی پکڑے گا اور سیلون  
کو بھی پکڑے گا۔ ہمارے دل میرے ریڈیو کی طرح ہیں جس میں واٹو نہیں اس  
سے کیسے ہم بی بی سی وغیرہ سن سکتے ہیں۔ ریڈیو کے اندر وہ تاریں اور واٹو لگاؤ  
جن کو تھیر دو تو مختلف آوازیں سنائی دیں۔ یوں پھیر دو تو کہیں مرغی گیدڑ  
دکھائی دے جیسے ٹی وی میں دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح رب کے کمالات کو دل

میں دیکھو۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار  
جب ذرا گردن جھکا لی دیکھ لی  
اس وقت دل قیمتی ہو جائیگا۔ دل کی قیمت خدا کے تعلق سے ہے۔ اگر دل خدا  
والا ہے تو عرش اور کرسی سے زیادہ قیمتی ہے حدیث شریف میں آتا ہے لا  
یسعنی۔ میری معرفت نہ آسمانوں کو حاصل ہو سکی اور نہ زمین کو۔ وہ مومن کا  
دل ہے جس میں میری معرفت سما سکی۔

دل بدست آرو دکہ ج اکبر است  
از ہزار کعبہ یک دل بہتر است  
کعبہ بنیاد ظلیل آزر است  
دل گزر گاہ جلیل اکبر است

دل تو تجلیات رب کا مقام ہے اس دل کی قدر کرو۔ آج تو ایسا زمانہ آیا ہے کہ  
دل کی تبدیلی کے آپریشن میں سؤر اور بندر کے دل لگائے جاتے ہیں یہ دل اتنا  
قیمتی ہے کہ جس کی قیمت دنیا و مافیہا ادا نہیں کر سکتے۔ ہم نے دل کو دلی بنایا ہے  
کہ جس میں ہندو بس رہے ہیں۔ اس دل کو ہر غیر کی محبت و عظمت اور تعلق سے  
خالی کرو۔ اس کو کہتے ہیں لا الہ الا اللہ۔ تم کافی عرصہ تک اپنے کمرے میں جھاڑو نہ  
دو اور تمام گندگی اور کوڑا کرکٹ کمرے میں پڑا رہے اور تمہارا اگر کوئی دوست  
آجائے اور وہ تمہارے کمرے کی تمام پڑی ہوئی گندگی کو دیکھے تو کیا کہے گا؟ تو جیسے  
تمہارا کمرہ دوستوں کی گزر گاہ ہے ایسے تمہارا دل پروردگار کی گزر گاہ ہے۔ تو جس پر  
خدا نگاہ ڈالتا ہو، فرشتے دیکھنے آتے ہوں تو اس کو آپ گندہ رکھتے ہیں باقی ہر چیز تو  
صاف ستھری رکھتے ہو اور ہر بلا یہاں ہے خدا اس میں نہیں۔ زبان۔ تو کہتے ہیں

کہ اللہ - مگر دل میں نہیں ہم سب نے ابھی ابھی نماز پڑھی - تکبیر تحریمہ سے لیکر سلام پھیرنے تک کتنی دیر اللہ میں مشغول رہے اور کتنی دیر غیر میں؟ اللہ تعالیٰ کا دھیان کتنا رہا اور غیر کا کتنا؟ ہماری نماز میں سب کچھ ہوتا ہے صرف ایک خدا نہیں ہوتا - اللہ اکبر کے کہنے ہی چابی دی موڑ چل پڑی چابی ختم ہوئی جب سلام پھیرا تو پتہ چلا کہ گاڑی رک گئی ہے - سبحانک الہم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پاکی اور کبریائی دل میں آنی چاہیے مگر ہمارے اللہ اکبر کے کہنے کے ساتھ ہمیں تمام چھوٹی چھوٹی چیزیں یاد آگئیں - تماشہ غیر میں مشغول ہو گئے - وجہ یہ ہے کہ خارج نماز میں جو سنتے ہیں اور جس چیز میں مشغول ہوتے ہیں وہ نماز میں یاد آتا ہے - چھابڑی والا تمام دن کہتا ہے کہ مولیٰ لے لو گاجر لے لو کدو لے لو جب رات کو سوتا ہے تو خواب میں بھی مولیٰ گاجر لے لو کہتا ہے - جو خواب کے باہر حالت و نوعیت ہے وہ خواب میں بھی ہے - خارج نماز میں ہم غیر میں کھینچا مشغول ہوتے ہیں تو نماز میں بھی اسی ہی میں مشغول ہوتے ہیں - تمام دن جک جک بک بک میں گزرتا ہے تو نماز میں بھی وہی جھک جھک بک بک رہتی ہے - نماز میں ہم خارج کی چیز کو باہر نہیں چھوڑتے - جب امتحان کے دن قریب ہوتے ہیں تو ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ فلاں سوال ضروری ہے اس کو یاد کرنا چاہیے ہم کو ہر فلاں ابن فلاں یاد آتے ہیں لیکن ایک یاد نہیں آتا اور وہ ہے خدا کا دھیان - مرض کا سبب کیا ہے دل میں غیر ہے جب تک غیر کو نہیں نکالو گے دل نہیں بنے گا یعنی دل بنتا ہے خدا کے یقین کو دل میں جمانے سے اور غیر کے یقین کو نکالنے سے - اس یقین کو لینے کیلئے اور خدا کی رضا کو حاصل کرنے کیلئے لا الہ الا اللہ کی چابی ہے اس کو کیلئے ہم حاصل کریں کہ دنیا و آخرت قدموں میں آجائے؟ آسان سا طریقہ ہے جب تم نے کہا لا الہ الا اللہ کہ میرا مقصود خدا کی ذات کے سوا کوئی نہیں - کلمہ ایک وعدہ اور

پیمان ہے اس بات کا کہ اے اللہ میں اپنی زندگی کے جزو کل، انفرادی و اجتماعی اور ظاہر و باطنی، ہر خال میں تیرے حکم کو دیکھ کر چلوں گا۔ اللہ کے حکم کو دیکھ کر اور مان کر چلنے کا نام لا الہ الا اللہ ہے۔ اپنی چاہت یا غیر کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا لا الہ الا اللہ سے ہٹ جانا ہے۔ ایک خدا کی سن کر چلنے کا نام، ایک خدا کے حکموں کو دیکھ کر چلنے کا نام لا الہ الا اللہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت بڑے آدمی تھے دنیا کے لحاظ سے بھی اور آخرت کے لحاظ سے بھی۔ ان کا نام سن کر اس زمانے کے کو بیچن اور ماورے تنگ (روس و چین کے لیڈر) کانٹتے تھے۔ صلاح الدین ایوبیؒ سے عین چار سو سال تک عیسائی بچوں کو اپنی مائیں ڈراتی تھیں حضرت عمرؓ ہر لحاظ سے بڑے آدمی تھے۔ ذہن میں آیا کہ عورتوں کے مہر کی کچھ تعداد مقرر کریں۔ ایک بوڑھی عورت آئی اور حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ کو کیا اختیار ہے عورتوں کے مہر کے مقرر کرنے کا؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ اگر مہر میں ڈھیروں سونا دیا جائے تو واپس نہیں لے سکتے اور کہا کہ اے عمرؓ میں تیری مانوں یا خدا کی مانوں؟ مومن تو یوں کہتا ہے کہ اے عمرؓ تیری مانوں یا خدا کی؟ حضرت عمرؓ اپنے کو مخاطب ہوتے اور کہنے لگے کہ اے عمرؓ تیرا کیا حال ہے؟ ایک بوڑھی عورت کا حال تجھ سے زیادہ بہتر ہے۔ ہم لوگ خدا کو دیکھ کر چلنے والے نہیں رہے۔ طلب و سکت اور شوق جاتا رہا، درد و فکر جاتا رہا جس نے مومن کو خدا والا بنایا تھا۔ وہ آگ۔ کچھ گئی جس سے دلوں کی انگلیٹھیاں روشن تھیں جو کہ ظلم کو جلانے والی تھیں۔ بقول اقبال۔

بھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلمان نہیں خاک کا ڈھیر ہے

ہم تو راکھ ہو کر رہ گئے حالانکہ مومن تو ایک آگ ہے جس میں پورا کفر و ظلم اور

گناہ جل جاتا ہے۔ ہم پر اپنا نفس اتنا غالب ہو گیا کہ نفس کے تقاضوں پر خدا کے حکموں کو قربان کر دیا۔ اللہ کا حکم بڑا ہے یا ہمارا نفس؟ جب ہم نے نفس کا حکم مانا تو نفس کو عملاً بڑا بنایا۔ ”کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی چاہت نفس کو خدا بنایا ہے؟“ لا الہ الا اللہ نام ہے نفس کی نہ ماننے کا اور خدا کی ماننے کا۔ جب تم خدا کے ماننے کے طریقوں پر آ جاؤ گے تو خدا تمہارا ہو جائیگا۔

نہ یہ چاہتا ہوں نہ وہ چاہتا ہو لہا

خدا کیلئے میں خدا چاہتا ہوں

نفسانیت اور چاہتوں کو آگ لگا دو خدا کیلئے جہنم میں بڑا لطف ہے اگر خدا کیلئے نہیں جیو گے تو پھر کتے بلی کیلئے جیو گے۔ ہم عرش سے اونچے ہیں لیکن اگر گریبنگے تو انتہائی گندگیوں میں ملوث ہو جائیں گے۔ لا الہ الا اللہ تو کہتے ہو، دل سے کہو۔ ایسے دل کی گہرائی سے کہو کہ کہنے کے بعد زندگی میں تغیر آجائے۔ صحابہؓ کا نام سنا ہے؟ اسلام سے پہلے کفر اور شرک میں مبتلا تھے بتوں کے آگے سر کو جھکاتے تھے۔ جب لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا تو زندگیوں میں تغیر آ گیا۔ جو کام اسلام لانے سے پہلے کرتے تھے کیا وہ اسلام لانے کے بعد بھی کرتے تھے؟ ہر گز نہیں۔ ان کے ذہن بدلے، دل بدلے، دماغ بدلے اور اعمال اور چاہتیں بدلیں، زندگی کے ظاہر و باطن بدلے، گویا کہ وہ (پہلے والے) لوگ تھے ہی نہیں۔ وہ گندے جسم والے جب خدا والے بنے تو ان کے اعمال پر اللہ تعالیٰ کو اتنا پیار آیا کہ جب حضرت سعد بن معاذؓ کا استعصال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا عرش لرز جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جنازہ کے ساتھ تشریف لے جا رہے ہیں اور پورا پاؤں زمین پر نہیں رکھتے تھے بلکہ پنجنوں کے بل چل رہے تھے۔ کسی نے پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ستر ہزار فرشتے جنازہ کے ساتھ چل رہے ہیں اور

انہوں نے اپنے پروں کو زمین پر پھیلایا ہے۔ زمین پر قدم رکھنے کی جگہ نہیں۔  
جب خدا ملے اور یہ کہتے ہلی نہ ملے تو کیا نقصان؟ کسی نے کہا ہے۔

دیوانہ کنی دہرو جہاں بختی

دیوانہ تو ہر دو جہاں چہ کنی

اپنا دیوانہ بناتے ہیں اور دونوں جہاں بھی بختتے ہیں۔ تیرا دیوانہ دونوں جہانوں کو  
لیکر کیا کرے گا۔

آپ کو کسی سے محبت ہو جائے اللہ کرے خیر کی ہو شر کی محبت نہ ہو۔ وہ کہے  
کہ میں نہ مجھے دکھ نہ مصافحہ کرنے بات کر اور کمرے کے اندر جو چیزیں ہیں یہ  
لیکر چلتے بنو وہ کہے گا میں یہ چیزیں لیکر گیا کروں گا۔

ہم باز آئے محبت سے بڑھا لو پاندان اپنا

مومن ایک خدا کو چاہتا ہے اس عالم کو اس لئے چاہتا ہے کہ اس میں سے گزر  
کر خدا ملتا ہے اور اس میں اللہ میاں کی مرضی ہے مومن خیر کا طالب نہیں ہوتا  
ہے وہ خدا کا طالب ہوتا ہے ہمیں ابھی تک لا الہ الا اللہ نہیں آیا جب زندگی کا  
جزو کل ظاہر و باطن خدا کیلئے ہو جائے تو لا الہ الا اللہ آگیا۔ سوچو ہماری زندگی کے  
کتنے لمحات خدا کیلئے ہوتے ہیں اور کتنے خدا کیلئے نہیں ہیں؟ استغنا کیلئے جتنا وقت  
لگاتے ہو۔ گھنٹہ تو بنے گا۔ میں کہوں گا کہ جتنا وقت اس خلوت کیلئے فارغ کرتے ہو  
کبھی خدا کیلئے بھی ایک گھنٹہ، جس میں خدا ہی خدا ہو فارغ کرو۔ استغنا کی حالت  
میں قریب سے قریب دوست کو بھی گورا نہیں کرتے۔ تنہائی کامل چاہتے ہو تو اس  
گندے کام کیلئے خلوت چاہتے ہو اور خدا کیلئے خلوت کو نہیں چاہتے یعنی کہ صرف  
خدا کے ساتھ مشغول ہو اور اس وقت غیر خدا کا دھیان نہ ہو۔ جیسے اندھیرا اور  
روشنی اکٹھے نہیں ہو سکتے اور جیسے نور و ظلمت اکٹھے نہیں ہو سکتے اس طرح اللہ



اور اللہ کا غیر اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ تھوڑا وقت فارغ کرو پھر مزہ دیکھو۔ لڈو پڑے کا مزہ تو ہوتا ہے یہ تو مخلوق کے مزے ہیں کبھی اللہ میاں کا مزہ بھی دیکھو۔ بس اللہ سے دل لگ جائے تو پوری دنیا نظروں سے گر جائیگی۔ ایمان نام ہے خدا سے ہونے کا۔ ہم دوسری چیزوں میں اسلئے مشغول ہو جاتے ہیں کہ اس میں فوائد اور کمالات دیکھتے ہیں۔ جب یہ یقین ہو جائے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں تو پھر اللہ کے طرف آئینگے۔ انسان کا دل جب کبھی کسی پر فریفتہ ہوتا ہے تو اس کے جہال و کمال و نوال کی وجہ سے ہوتا ہے تو سارے جہال و کمال و نوال اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں خدا کے جہال و کمال اور اس کے احسانوں کو سوچا کرو تو غیروں سے گھن آنے لگی گی۔ اگر کمالات دیکھتے ہو تو ہمارے خدا کی طرح کمالات کسی میں نہیں۔ الا اللہ سے ہر غیر کو نکالو بس اللہ ہی اللہ ہو۔ سب کچھ ہو اور اللہ نہ ہو، سب کچھ مل جائے اور اللہ نہ ملے تو صدر ایوب کی طرح بیڑہ غرق۔ صدر ایوب کے پاس سب کچھ تھا جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو کیا ہوا؟ کچھ بھی نہیں رہا۔ پوری حکومت دوسرے کے قبضہ میں چلی گئی۔ بس کچھ بھی نہیں۔ ایک اللہ کی ذات بس باقی ہوس۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنی ذات سے استفادہ کرنے کیلئے اور اپنے انعامات لینے لئے ایک کھلا دروازہ دیا ہے واتوا البیوت من ابوابہا امریکہ کی عمارات کی طرح نہیں کہ بلڈنگ تو بہت بڑی اور دروازہ چھوٹا سا۔ اللہ تک پہنچنے کا جو مین گیٹ ہے اور جو شاہراے اعظم ہے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اعلیٰ ہے آپ کے قدموں کو سر پر رکھیں گے تو خدا تک پہنچ جائینگے۔ جیسے لفٹ ہوتی ہے سوچ دیا یا تو آنا فانا اوپر پہنچ گئے۔ تو اسی طور پر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر اللہ کی رضا کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ آجائے تو لفٹ کی طرح عرش سے اونچے چلے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے اور دلارے ہو جاؤ گے۔ خدا کے پیار کے

بھوکے بن جاؤ اللہ تعالیٰ بھی پیار کرے گا ان اللہ یحب المتقین ، ان اللہ یحب المحسنین ، ان کتّم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ ، اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرینگے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو اختیار کرو گے تو اللہ پیار کرے گا چومے گا ۔ اوروں کے محبتوں کے پیچھے پھرتے ہو اللہ کی محبت کے طالب بن جاؤ۔ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کے ہو جاتے ہیں۔ جس کو خدا ملے اسے پھر کس چیز کی ضرورت ہے؟ ہم کیوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر نہیں چلتے کہ ہمارا ماحول نہیں۔ ہر وقت کھانے پکوانے کی فکر میں ہیں بقول مولانا رومؒ۔

اہل دنیا کافران مطلق اند

ہر زماں درجک جک و در بک بک اند

رات دن جک جک بک بک میں لگے ہوئے ہیں زراعت والے اس میں مشغول ہیں کہ فصل اور غلہ کیسے پیدا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب قصابی کے کام میں اورا نجینئر صاحب اینٹ پتھر اور روزوں میں مشغول ہیں۔ خاک و مٹی میں لگے ہوئے ہیں۔ تمام یونیورسٹی خاک و مٹی میں لگی ہوئی ہے۔ بقول اقبالؒ

شکایت ہے مجھے یا رب خداوندان مکتب سے

سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاک بازی کا

تم تو شاہیں کے بچے تھے تمہاری پرواز تو عرش سے اوپر تھی۔

دردشت جنون من جبریل زیوں سیدے

یزدان بہ کمند آورد اے ہمت مرداں

کہ ایسے لوگ بھی ہیں کہ فرشتے انکے ہو گئے۔ خدا اور پیغمبر کو بھی اپنا بنایا ایسی زندگی گزارو کہ اپنے لئے بھی اور مخلوق کیلئے رحمت بن جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی شان کریمی ورحیمی اور کمالات سے حصہ لو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو خدا والا بنایا۔ خدا والے بنو اور بناؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل خدا کی رحمت کو کھینچنے والا ہے۔ آپ کے وجود سے نکلنے والے ہر عمل کا ذرہ نور ہدایت ہے، آفتاب ہدایت ہے۔ آپ اصلی اور حقیقی رحمۃ اللعالمین ہیں اور ہم نقلی رحمت اللعالمین ہیں۔ اگر نقل اصل کے مطابق ہو جائے تو پھر کیا کہنا۔ فممن تشبہ بقوم فهو منه۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ نے فرعون کے پاس بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے دو معجزے عطا فرمائے تھے۔ اس زمانہ میں مصر میں ظاہر کے لحاظ سے جادو کا بہت زور اور چرچا تھا۔ جو انسان کے ذہن میں ہوتا ہے دوسرے کو بھی اسی طرح سمجھتا ہے۔ فرعون سمجھا کہ یہ بھی جادوگر ہے اور بادشاہی کو اپنانا چاہتا ہے۔ جادوگروں کو بلایا انہوں نے موسیٰ کی طرح کمر میں کپڑا باندھا ہم بھی ٹیڈیوں کی نقل کرتے ہیں کہ ان کو بڑا سمجھتے ہیں جب مقابلے کا دن آیا تو جادوگروں نے بھی جٹکے کمر پر باندھے کہ ہم بھی بڑے جادوگر نظر آئیں۔ اللہ تعالیٰ کو پیار آگیا کہ وہ میرے محبوب کی صورت بنا کر آئے ہیں ہم ان کو رد نہیں کرتے۔  
 ترے محبوب کی یا رب شہادت لے کے آیا ہوں  
 حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

صورت بناؤ سیرت اللہ ٹھیک کر دے گا۔ ظاہر بناؤ باطن وہ بنائے گا۔ خدا نے فیصلہ کیا کہ میں ان جادوگروں کو فرعون والے نہیں بناؤں گا۔ جادوگروں نے رسیاں پھینکیں۔ وہ ایسے نظر آرہی تھیں کہ سانپوں کی طرح دوڑ رہی ہیں موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنا عصا پھینکا۔ آسمان سے چارکتا میں آئیں۔ پانچواں آیا ڈنڈا مجھ سے کسی نے کہا شریعت کیسے نافذ ہوگی۔ میں نے کہا کہ جیسے مارشل لاء نافذ ہوتا ہے۔ اگر اللہ کے احکام نافذ ہو جائیں تو تمام دین کے بارے میں نحرے ختم ہو

جانیگے۔ چونکہ جادوگروں کے موسیٰ علیہ السلام کے نقل اتارنے پر ہدایت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ کہنے لگے کہ اگر یہ جادوگر ہوتا تو ہم کو اس طرح شکست نہ دیتا۔ جادوگر جادو کی حقیقت کو جانتے تھے فوراً پکار اٹھے قالو آمنا رب العلمین۔ رب موسیٰ وبارون فرعون کہنے لگا کہ موسیٰ تمہارا رنگ لیڈر تھا تم سب کے سب کے دائیں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دوں گا جادوگروں نے کہا کہ کرو جو کچھ کر سکتے ہو ہم ایمان لے آئے ہیں۔ تو اگر حقیقت نہیں تو نبیؐ کی نقل ہی اختیار کرو خدا اس نقل کی برکت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حشر کر دیگا۔ جنت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانا نصیب ہوگا۔ تبلیغ میں یہ موٹی سی بات کئی جاتی ہے کہ یقین کو بنالو اور اعمال کو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو اختیار کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کام کیا تھا؟ مزارع کا کام کھیتی باڑی، انجینئر کا کام بڑھتی لوہاری اور ہمارے ڈاکٹر کا کام ڈاکٹری ہے۔ ایک عمل ہوتا ہے اور ایک پیشہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشہ کیا تھا قل ہذہ سبیلی ادعو الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن تبعنی۔ کہہ دیجئے یہ میرا راستہ ہے کہ اللہ کی طرف بلاتا ہوں پوری بصیرت (کچھ) کے ساتھ کہ خیر نام اسی میں ہے اور میری اتباع کرنے والے بھی یہ کام کریں گے۔ فوج میں بھرتی ہو گئے تو سفر میں سڑکیں بناؤ گے، آرٹلری میں توپ چلاؤ گے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں شامل ہو گئے تو ان کا کام کرو گے یعنی جو امام کی نیت وہ مقتدی کی نیت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ میری بات مانو ہم کہتے ہیں کہ ہم ماورے تنگ کی بات مانیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں میری بات مانو ہم کہتے ہیں کہ کارل مارکس اور لینن کی بات مانیں گے جن کو پیٹ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ یقین اور عمل کے پانے کیلئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو سیکھنے اور ایمان کیلئے کچھ وقت نکالو اس کام

کو سکیھو اگر تم چاہو کہ کالج میں داخلہ مل گیا ہے اور پڑھو گے کچھ نہیں اور اس خیال میں ہو کہ فرسٹ کلاس میں پاس ہو گئے تو یہ اپنے کو دھوکہ دیتے ہو رات کی نیند کو اڑاؤ گے تو کچھ ملے گا۔ امتحان کے دنوں میں کام کی زیادتی اور فکر کی وجہ سے رنگ بھی پیلے ہو جاتے ہیں۔ آج سے پانچ سال پہلے کی بات ہے ہمارے ایک دوست تھے جس کو امتحان کے دنوں میں Nervous break down ہو گیا تھا مجھ سے کہا کہ دعا کرو کہ امتحان ہال میں پیشاب خطا نہ ہو جائے۔ دین کے کام کا بھی ایک کورس و نصاب ہے۔ زندگی میں ایک دفعہ چار مہینے اللہ کے راستہ میں لگا لو جتنا گھسو گے تو کچھ آئے گا۔ بوٹ پر پالش خوب لگاؤ لیکن رگڑو نہیں تو چمک نہیں آئے گی۔ اللہ کے راستے میں نکلو اور مجاہدہ کرو انشاء اللہ چمک جاؤ گے۔ ارادہ کر لو اس زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیا میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں یہاں سے زندہ اٹھو لگا؟ کیا پتہ ہے کہ ملک الموت آجائے اور کام تمام ہو جائے۔ کیا ایک پل کی اجازت دے گا؟ اللہ تعالیٰ تمہاری عمروں میں برکت دے۔ خیر ایک نہ ایک دن کو تو کہیں جائینگے۔ اگر ہم ارادہ کریں کہ اے اللہ یہ زندگی پوری کی پوری تیرے حکموں کے مطابق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر گزاروں گا تو نیت کا ثواب تو مل جائیگا۔ ایک نیکی تو ابھی سے لکھ دی جائیگی۔ ہم نیت کریں کہ اے اللہ یہ زندگی تیری دی ہوئی ہے اور تیرے لئے اس کو لگاؤ لگا۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اور پھر یہ ارادہ کرو کہ موقع ملے گا تو چار مہینے اللہ کی راہ میں لگا لو لگا۔ گرمی کی چھٹیوں میں 40 دن کیلئے اللہ کے راستے میں نکل جاؤ۔ گھروں میں تو کتنی سال گزارے اب جو وقت ملے اسے اللہ کے راستے میں لگا دو۔ ابھی سے ارادے کرو

## نماز

حقیر و بے نواضعیف و کمزور انسان کو مکالمہ الہی اور یاد خداوندی سے سرفراز کرنے، رحمت الہیہ کی سزاوار سرپا قدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کی راہیں کھولنے اور الہی کا پابند کرنے اور انقیاد و فرمانبرداری کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے اسلامی نماز کا فریضہ، جگہ جگہ مقرر کیا گیا کہ عبدیت و خضائے عبودیت نماز کی باقاعدہ اور صحیح بجآوری کا لازمی نتیجہ ہیں نماز میں بندہ اپنی مرضیات و خواہشات کو فنا کر دیتا ہے۔ اور ایک بے جان گل کی طرح اور الہی کا پابند ہو جاتا ہے۔ کبھی آقا کے سامنے ہاتھ باندھے اس کی پسند کے مطابق کلمات پڑھتے ہوئے اس کی کبریائی و صمدیت اور عظمت و جبروت کا دھیان اور کبھی بارگاہ جلال میں اپنی بلند پیشانی کو نیاز مندی کی خاک سے عزت بخشتا ہے۔ جو پروردگار کا حکم ہوتا ہے۔ وہی کرتا ہے۔ جو اس کی مرضی ہوتی ہے۔ وہی کہتا ہے۔ گویا وہ ایک جد بے روح ہے۔ جس کی ہر حرکت کی فاعل وہی کبیر و متعال ذات ہے۔ جس کی الوہیت کا بندہ عاجز اقرار کر چکا ہے۔ گویا وہ اپنے جسم و روح کو اپنے مالک کے سپرد کر

دیتا ہے۔ کہ وہ جو چاہے اس میں تصرف کرے۔

چشم و گوش و دست و پائے او گرفت ہ من بدر رقتہ سرائے او گرفت  
قولاً و فعلاً ظاہر و باطناً و امر الہیہ کی بے حیل و حجت پابندی نماز کا خاصہ ہے اور  
اسلامی زندگی کی حقیقت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی  
حیات طیبہ کی روح بھی یہی ہے۔ کہ اپنی خواہشات و مرضیات کو مٹا کر  
خلوت و جلوت ظاہر و باطن میں اوامر الہیہ کی پابندی کی جائے۔ نماز کی اس  
کے آداب و ارکان کی پابندی کے ساتھ ادائیگی عظمت الہی اور جذبہ بندگی  
پیدا کرنے کا سہل ترین ذریعہ ہے۔ کیوں کہ نماز کی روزمرہ پانچ بار تکرار  
ہمارے لیے نفسیاتی طور پر اوامر الہی کے سامنے مٹے اور اپنے کو خدائے  
عز و جل کے سپرد کرنے کی باعث بنتی ہے جب ہم بار بار اللہ کے حکموں کی  
پابندی کرتے ہوئے دن میں پانچ مرتبہ اس کے حضور میں حاضر ہوتے ہیں تو  
تعلق مع اللہ کے ساتھ ساتھ احکام الہیہ کی پابندی کا جذبہ بھی بڑھتا جاتا ہے  
جو ہمارے لئے عبدیت کی زندگی کی راہیں کھول دیتا ہے۔ اسلئے کہ جب ہم  
بار بار اپنی خواہشات اور مرضیات کو مٹا کر اللہ سے (نماز کے ذریعے) رشتہ جوڑنے  
کی کوشش کرتے ہیں۔ تو عبدیت کے راستہ کا وہ سنگ گراں جسے "ہویٰ"

کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے ان عیسیم خرموں سے چور ہو جاتا ہے۔ اور انسان متمانے عبدیت یعنی رضائے مولا سے ہم کنار ہو جاتا ہے کا قول ہے کہ اللہ اور بندے میں ایک قدم کا بعد ہے۔ اگر ایک پاؤں اپنی خواہش (ہوی) پر رکھے تو بس دوسرے قدم میں مقصد حاصل ہے۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں اشکارا فرمایا ہے۔

و اما من خاف مقام ربہ ونهى النفس عن الهوى ه فانا نجنته حى الماوى ه (الزعات - ۲)  
اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا۔ اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکا ہوگا۔ سو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔ (ترجمہ حکیم الامتہ تھانوی)

ہوائے نفسانی کو توڑنے، فواحش و منکرات سے روکنے اور شان عبدیت پیدا کرنے کے یہی غاصیات نماز کا لازمہ ہیں جن کے متعلق قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

اتل ما اوحى اليك من الكتب واقم الصلوة ان الصلوة تنهى عن الفسقاء والمنكر (العنكبوت - ۵)

جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ اسے پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھئے



- بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔ گویا تلاوت کتاب (قرآن) سے جس زندگی کی پردہ کشائی ہوتی ہے۔ اقامت صلوٰۃ سے اس کا اختیار کرنا سہل ہو جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں ایک جوان جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا تھا۔ برائیوں سے نہیں بچتا تھا۔ اس کی حالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن اس کی نماز اس کو بچائے گی۔ چنانچہ اس نے توبہ کی اور کیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

امام احمد نے مسند میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ایک چور شخص کے نمازی ہونے کا تذکرہ کیا گیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا نماز کی برکت سے اس کی چوری کی عادت مچھوٹ جائے گی۔ (احسن التفسیر ص ۱۱۶-۵ ج)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو نظام زندگی اور حیات طیبہ دنیا میں لے کر آئے تھے۔ اسکے نشوونما کے لئے اس آب حیات (نماز) کا دائمی و ہمگیر تقاضا لازمی و لا بدی تھا۔ اس زندگی کی آبیاری کے لئے نماز کی اتنی ہی ضرورت ہے۔ جتنی کسی کھیتی کو پانی کی ہو سکتی ہے۔۔۔ یہی آب زلال کا وہ سرچشمہ

ہے۔ جس سے اسلامی زندگی کی رگ رگ میں ایمانی طراوت پہنچ کر اس کی بالید کی کاسبب بنتی ہے۔ ایمانی تروتازگی اور روحانی اطراوت و ٹھنڈک کا خزانہ ڈھونڈنے والوں کو اسی نماز میں نصیب ہوا ہے۔ چنانچہ حیات اسلامی کے اسوہ کامل صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

جملت قرۃ عینی فی الصلوۃ

بنائی گئی ہے۔ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں۔

اس طراوت و حشمت و جگر کارازیہ ہے۔ کہ نماز میں محبوب ازلی کا جو قرب نصیب ہے۔ وہ اس دنیا میں کسی اور ذریعہ سے ممکن نہیں۔ جیسا کہ (واجبہ و اقرب) (السجدہ) اور سجدہ کر اور قریب ہو۔ کی نص قرآنی شاہد ہے۔ اور پھر ان لمحات میں کشمکش محبت کو عرض و نیاز اور نگاہ لطف و کرم کا وہ موقع نصیب ہوتا ہے جس کے متعلق ارشاد نبوی علیہ السلام ہے۔

(ان فی الصلوۃ لشغلا۔ صحیح مسلم باب تحریم الکلام فی الصلوۃ) نماز میں ایک اور ہی شغل (مصرفیت) ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے اور لوگ مسجد میں زور زور سے قرات کر رہے تھے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگو! تم میں

سے ہر ایک اللہ سے مناجات کر رہا ہے۔ تو وہ مجھے کہہ دیا کہ رہا ہے۔ اور ایک دوسرے کی مناجات میں اپنی آواز سے خلل انداز نہ ہو۔ (ابوداؤد۔ صلوٰۃ اللیل)

نماز ہی میں علائق دنیوی کے رشتے کٹتے ہیں گناہوں کی کٹافٹیں دھلتی ہیں اور رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اور انسان کی روح ناصور چین و سکون سے ہم آغوش ہوتی ہے۔ کہ قلبی اطمینان بغیر ذکر الہی کے ممکن نہیں۔

الابذ کر اللہ تظمئن العتوبہ (رعد۔ ۴) اللہ ہی کی یاد سے دلوں کی تسکین ہوتی ہے۔)

اور نماز کا مقصد یاد الہی بتایا گیا ہے۔ واقم الصلوٰۃ لذکری (اور میری یاد کے لئے نماز قائم کر۔)

قلب انسانی نماز ہی کی بدولت تجلیات و انوار الہی کا مضبوط بنتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ "نماز دل کی روشنی ہے۔" (سیرت النبی ص ۵۲ ج ۵ بحوالہ کنز العمال جلد ۴ کتاب الصلوٰۃ) عشق الہی کی تابانیاں نمازی کو سراپا نور بنا دیتی ہیں۔ ذوق و شوق کی کیفیتیں مجبور روح انسانی کو سرور و وجد کے اس پر کیف عالم میں پہچا دیتی ہیں۔ جہاں پر تو جمال کے سوا کوئی ہمنشین اور

بے حرف و صوت کلام سرمدی کے سوا کوئی ندا سامعہ نواز نہیں ہوتی۔ جہاں حسن ازل کے سامنے ماسوا کے تمام نقوش مٹ کر رہ جاتے ہیں۔ اور قلب انسانی ماسوا سے فراغت کے اس مقام پر جا پہنچتا ہو جہاں کہنے والے کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے۔ کہ

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی۔ اب تو آجاب تو غلوت ہو گئی۔ (مجدوب)  
 یہ نماز ہی تو ہے۔ جو کیف موتی کے اس عالم میں انسان کو پہنچا دیتی ہے۔  
 کہ ایک رات دو صحابی پہرہ دینے کیلئے میدان جنگ میں متعین ہوتے ہیں۔  
 ایک سو جاتے ہیں۔ دوسرے نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ دشمن ان کو  
 تاک کر تیر مارتے ہیں۔ جو بدن میں بیوست ہو جاتے ہیں۔ لیکن لطف  
 و سرمستی میں کمی نہیں ہوتی۔ نماز جاری رہتی ہے۔ کہ جو پیاری صورت  
 شروع کی تھی اس کا سرور ہنوز باقی تھا۔ (ابوداؤد کتاب الطہارت باب  
 الوضوء من الدم)

حشق کا تموج بے خودی کے ان مقامات پر جا ڈالتا ہے۔ کہ فاروق اعظم ایک  
 شتی کے خنجر سے امت کے فرائض انجام دیتے ہوئے خاک و خون میں  
 لوٹنے لگتے ہیں۔ لیکن معتدی محبت کی پہنائیوں سے باہر آنے سے مجبور ہیں

- جب نماز ختم کر کے اس عالم بخودی سے باہر آتے ہیں تب غلیظہ وقت کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔

چوں نمازی گذارم بخدا خبر ندارم ہ کہ تمام شدہ کو عی یا امام شد فلانے  
قرآن حکیم نے حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ السلام کا یہ واقعہ توصیف و  
تعریف کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اذ عرض علیہ بالشی الصفت لیلادہ فتال انی احبت حب الخیر عن ذکر ربی  
حتی توارت بالحباب - ردوہا علی فطفق مسحابا سوق والا عناق - (ص-۲) (چنانچہ  
وہ قصہ انکا یاد کرنے کے قابل ہی جب شام کے وقت ان کے روبرو اسیل)  
اور عمدہ) کھوڑے پیش کیے گئے تو کہنے لگے کہ (افسوس) میں اس مال کی  
محبت میں (لگ کر) اپنے رب کی یاد سے غافل ہو گیا۔ یہاں تک کہ آفتاب  
پردہ (مغرب) میں چھپ گیا۔ (پھر حشم و خدم کو حکم دیا کہ) ان کھوڑوں کو  
ذرا پھر تو میرے سامنے لاو سو انھوں نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر  
تلوار سے) ہاتھ صاف کرنا شروع کیا (ترجمہ حکیم الامتہ تھانوی) اگر اللہ کے  
صاحب شوکت نبی سلیمان ابن داود علیہم السلام نے اللہ کے ذکر میں حائل کی  
وجہ سے کھوڑوں کی گردنیں اور پنڈلیاں اڑا دیں تھیں تو مکتب رسالت صلی

اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ بھی اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کی روشنی نماز کے کیف و سرور میں اگر کسی چیز کو حاجت دیکھتے تھے۔ تو اسے قربان کر کے رکھ دیا کرتے تھے۔ حضرت ابو طلحہ انصاری اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک خوشنما چڑیا نے سامنے آکر چھانا شروع کیا۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ دیر تک ادھر ادھر دیکھتے رہے۔ پھر جب نماز کا وقت آیا تو رکعت یاد نہ رہی۔ دل میں کہا اس باغ نے یہ فتنہ برپا کیا۔ یہ کہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور واقعہ بیان کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ باغ راہ خدا میں نذر ہے۔

اسی طرح ایک اور صحابی اپنے باغ میں نماز میں مشغول تھے۔ باغ اس وقت نہایت سرسبز و شاداب اور پھلوں سے لدا ہوا تھا۔ پھلوں کی طرف نظر اٹھ گئی تو نماز یاد نہ رہی۔ جب اس کا خیال آیا تو دل میں نادم ہوئے کہ دنیا کے مال و دولت نے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یہ باغ جس نے مجھے فتنہ میں مبتلا کر دیا۔ راہ خدا میں دیدیا ہوں۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو بیت المال کی طرف سے بیچا۔ تو پچاس ہزار میں فروخت ہوا۔

(سیرت النبی ص ۲۰۰ ج ۵ بحوالہ موطا مالک کتاب الصلوٰۃ)

یہ نماز ہی کی کیف انگیزیاں تھیں جو ایسے مافوق العادت واقعات کے ظہور کا باعث بنیں۔ ان کیف انگیزیوں کی بدولت خالق کی سواہر چیز سے بندہ کا قلبی تعلق ٹوٹ گیا۔ اور ماسوا کی محبتیں جاتی رہیں۔ اور یہی وہ چیز ہے۔ جس سے اسلامی زندگی کی راہیں انسان پر کشادہ ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اسلام میں یہی ایک فریضہ ہے۔ جو ہر مرد و زن، امیر و فقیر، بوڑھے اور جوان پر فرض ہے جو سن بلوغ سے لیکر آغوشِ لحد تک کسی حالت میں بھی معاف نہیں ہوتا۔ نہ میدان جنگ کے بہت ناک احوال و مناظر، ار، عزیز مریشہ کی ادائیگی میں مانع آسکتے ہیں۔ اور نہ کوئی اور عذر علاوہ ضیاع ہوس و حواس کے اس کے ترک کا عذر بن سکتا ہے۔ اعتذار کی صورت میں آسانیاں ضرور فراہم کر دی گئی ہیں۔ لیکن مسلمان رستے ہوئے کسی صورت میں بھی اس فریضہ کی بجا آوری سے فرار ممکن نہیں۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے۔

و اقیمو الصلوٰۃ و لا تکنوا من المشرکین (روم - ۴) اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

گویا نماز کا ترک مشرکوں میں سے ہو جانے کا ہم معنی ہے۔ کفار سے جب

پوچھا جائے گا۔ کہ جنم میں تم کیوں ہو؟ تو وہ جواب دیں گے۔

لم نک من المسلمین (مدثر ۲۰) ہم نمازیوں میں سے نہ تھے۔

رسول اللہ صلی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ بین العبد و بین الکفر ترک الصلوۃ (مشکوٰۃ ص ۵۸ بحوالہ مسلم)

بندہ (مسلم) اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے۔ (یعنی اگر نماز چھوڑ دے گا تو کفر (کی سرحد) سے جا ملے گا۔

ایک دوسری حدیث میں اس سے بھی زیادہ صریح الفاظ میں وعید ہے۔ عبد اللہ ابن بریدۃ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

العبد الذی بیننا و بینہم الصلوۃ فمن ترکھا فقد کفر (مشکوٰۃ ص ۵۸ بحوالہ احمد ترمذی و نسائی و ابن ماجہ)

ہمارے اور ان کے درمیان صرف نماز کا عہد ہے۔ میں جس نے نماز کو ترک کیا وہ کافر ہوا (یعنی اگر ترک کو حلال جان کر نماز نہ پڑھی۔ انس ابن مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

قال لیس بین العبد و الشکر الا ترک الصلوۃ فاذا ترکھا فقد اشرک (ابن ماجہ



## باب فیمن ترک الصلوٰۃ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بندے اور شرک کے درمیان صرف ترک نماز کا فاصلہ ہے۔ جب نماز چھوڑ دی تو اس نے شرک کیا۔ عبد اللہ ابن عمرو ابن العاص روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ جو شخص نماز پر محافظت کرے گا۔ تو نماز اس کے لیے قیامت میں روشنی برہان (ایمان کی واضح دلیل) (کافی المرقاة) اور ذریعہ نجات ہوگی۔ اور جو نماز پر محافظت نہیں کرے گا تو اس کے لئے نہ روشنی ہوگی نہ دلیل (ایمانی) اور نہ نجات۔ اور قیامت کے روز وہ قارون فرعون اور ابی ابن خلف کی معیت میں ہوگا۔ (مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ ص ۵۸ بحوالہ احمد و دارمی و ہیثمی)

امام بنوی نے شرح السنہ میں اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں عبد اللہ بن ثقیف کا یہ قول روایت کیا ہے جو مشکوٰۃ میں بحوالہ ترمذی منقول ہے۔ (کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرون شیئاً من الاعمال ترک غیر الصلوٰۃ) (مشکوٰۃ ص ۵۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ اسی قبیل کے اقوال عمر فاروق

اور ابن مسعود رضوان اللہ علیہم سے ملا علی قاری نے روایت کئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جس نے عمد نماز چھوڑی اس کا کوئی حصہ اسلام میں نہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ نماز کا ترک کفر ہے۔ (بر حاشیہ ابن ماجہ ص ۷۰، بحوالہ مرقاۃ) ابن اقبال کی تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے۔ جو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ جبہ امام سیوطی نے در مشور میں بڑا کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ کہ (لا سہم فی الاسلام لمن لا صلوۃ لہ) (رسالہ نماز از مولانا محمد منظور صاحب نعمانی ص ۱۱) اسلام میں اس کا کچھ بھی حصہ نہیں جو نماز نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو جد دین کیلئے بمنزلہ سر کے قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن عمر و سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک حدیث میں یہ بھی) فرمایا کہ جس کے پاس نماز نہیں (یعنی نماز نہ پڑھتا ہو) اسکے پاس دین نہیں، نماز کو دین سے وہ نسبت ہے جیسے سر کو دھڑے نسبت ہے۔ (کہ سر نہ ہو تو دھڑ مردہ ہے۔ اسی طرح نماز نہ ہو تو تمام اعمال بے جان ہیں) (حیۃ المسلمین امام تھانوی ص ۶۶، بحوالہ طبرانی اوسط و صغیر)

ابن ماجہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کی ہے جس کے

پہلے دو اجزاء یہ ہیں (اوصافی غلیبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تشرک باللہ شیئاً وان  
 قعقت و حرقت ولا تترک الصلوۃ مکتوبۃ فمن جر کھا مقعداً فقد برئت عنہ الذمہ اللہ  
 و رسولہ) کہ میرے دور رس محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی کہ اللہ  
 کے ساتھ شرک نہ کر اگرچہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں یا تجھے جلا  
 دیا جائے اور فرض نماز عدا نہ چھوڑ کہ جس نے اسے چھوڑ دیا جان بوجھ کر وہ  
 اللہ و رسول کے ذمے سے نکل گیا۔ اسکی تقریباً ہم معنی حدیث امام منذری  
 نے ترغیب میں طبرانی و محمد ابن نصر کے حوالے سے عبادہ ابن صامت  
 صحابی رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 سات باتوں کی وصیت کی جن میں سب سے پہلی اور اہم دو باتیں یہ تھیں۔  
 (لا تشرکوا باللہ وان قطعتم او حرقتم ولا تترکوا الصلوۃ متعمداً فمن جر کھا فقد خرج  
 من الملتہ) (رسالہ نماز ص ۱۱ از مولانہ محمد منظور نعمانی) اللہ کے ساتھ کبھی شرک نہ  
 کرو۔ اگرچہ تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا تم کو آگ میں جلا دیا جائے  
 اور خبر داد کبھی دانستہ نماز نہ چھوڑو کیونکہ جس نے عداً نماز چھوڑی وہ ملت  
 سے نکل گیا۔

اسلام میں نماز کی جو اہمیت ہے۔ ان وعیدوں سے ظاہر ہے۔ جو اس کے ترک پر نفل کی گئی ہیں۔ بلکہ قرآن میں تو نماز میں سستی و کالی کو منافقین کی علامت بتایا ہے۔ (واذا قاموا للصلوة قاموا کالیٰ)۔ جب وہ نماز کو اٹھتے ہیں تو سستی کرتے ہوئے اٹھتے ہیں۔) ایمان کی ظاہر نشانی اور توحید کے بعد پہلا حکم نماز ہی ہے۔ جس سے انسان کی باطنی ایمانی کیفیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور اسلامی زندگی کی تمیز بھی اسی نماز سے ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ قرآن و حدیث میں اس قدر نماز کی پابندی پر زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں سو مرتبہ سے زیادہ اس کی تعریف، بجا آوری کا حکم اور اس کی تاکید آئی ہے۔ (سیرت النبی ص ۵، ج ۵) اور احادیث کی کتابیں "کتاب الصلوٰۃ و ابواب الصلوٰۃ" کے عنوانات سے نماز کے متعلق لاتعداد احادیث کے ذخیرے سے گرانبار ہیں۔ جیسا کہ جاننے والوں سے مخفی نہیں۔ نماز ہی اللہ کو سب اعمال سے زیادہ پسند ہے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو سب اعمال سے وہ کون سا عمل پسند ہے۔ آپ نے فرمایا۔ الصلوٰۃ لوقتھا۔ اپنے وقت پر نماز" (مشکوٰۃ، بحوالہ بخاری و مسلم ص ۵۸) ام فردہ انصاریہ رضی

اللہ عنہ کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ اول وقت پر نماز سب سے بہترین و افضل عمل ہے۔ (رواہ احمد و ترمذی و ابوداؤد۔ مشکوٰۃ باب تبعیل الصلوٰۃ)۔  
 آپ علیہ السلام نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا ہے۔ کہ جس نے اسے قائم کیا اس نے اپنے دین کو قائم کیا۔ اور جس نے اسے ترک کیا اس نے اپنے دل کی دینداری کو برباد کیا۔ (سیرت النبی ص ۲، ج ۵۔ بحوالہ کنز العمال)  
 طائف کے وفد نے جب مدینہ آ کر صلح کی بات چیت شروع کی تو نماز، جہاد اور صدقات سے مستثنیٰ ہونا چاہا۔ آپ نے پچھلی دو باتوں سے مستثنیٰ کر دیا۔ لیکن نماز کے متعلق فرمایا۔ "ولا خیر فی دین لیس فیہ رکوع" جس دین میں اللہ کی طرف جھکنا نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ (ابوداؤد جلد ثانی باب ماجاء فی خبر الطائف ص ۲، ج ۲) دارمی نے حضرت جابر ابن عبد اللہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "جنت کی کبھی نماز ہے" (حیۃ المسلمین ص ۶۵) نماز گناہوں کا کفارہ ہے۔ امام مسلم ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ (الصوۃ الخمس والجمعة الی الجمعة ورمضان الی رمضان مکفرات لما بینھن اذا احتیت الکبائر۔ پانچ نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک اپنے

درمیانی زمانے میں (سرزد شدہ گناہوں) کا کفارہ ہے۔ جبکہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔) حضرت ابوہریرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ (قال رسول اللہ صلی اللہ وسلم ارمیتہ لوان نحر آباب احد کم یقتل فیہ کل یوم خمساً حل یمتی من درنہ شیئی قالو لایمیتی من درنہ شیئی قال فذالک مثل الصلوات لا خمس۔ صحوۃ حسن الخطایا۔) (مشکوٰۃ ص ۷۵، صحوۃ بخاری و مسلم) آپ نے فرمایا کہ مجھے بتاؤ کہ اگر تم لوگوں میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر بہتی ہو۔ اور اس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو۔ کیا اس کے بدن پر کچھ میل بھی رہ جائے گی۔ لوگوں نے کہا بالکل میل نہیں رہے گی۔ آپ نے فرمایا یہی حالت پانچوں نمازوں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے خطائیں معاف کرتا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ "ایک آدمی نے کسی عورت کا بوسہ لے لیا۔ اور پھر ندامت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اپنے (گناہ) کی اطلاع دی۔ اس پر اس آیت کا نزول ہوا۔

کفارہ گناہ) صرف میرے لیے ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں میری تمام امت کے لیے ہے۔ (صحیح بخاری باب الصلوٰۃ کفارۃ ص ۵۷، ج ۱) عبادہ ابن صامت سے روایت ہے۔ (عن عبادۃ بن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس صلوات اقرضن اللہ تعالیٰ من احسن وضوء من وصلا من لو قصن واتم رکوعن وخشوعن کان لہ علی اللہ عھدان یغفر لہ ومن لم یفعل فلیس لہ علی اللہ عھدان شاء غفر لہ وان شاء عذبه) (رواہ احمد وابو داؤد و ترمذی مالک انسائی نخوع مشکوٰۃ ص ۵۸) ابو قتادہ بن ربیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے تیری امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اور اپنے ذمے یہ بات لازم کر لی ہے کہ جو ان کی محافظت ان کے وقت پر کرے گا۔ اسے میں ضرور جنت میں داخل کروں گا۔ اور جو ان کی محافظت نہیں کرے گا مجھ پر اسکی کوئی ذمے داری نہیں۔ (ابن ماجہ باب ماجاء فی فرض الصلوٰۃ الخمس ص ۱۰۳)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن سردی کے ایام میں (خزان میں) باہر نکلے۔ درختوں کے پتے از خود جھڑ رہے تھے۔ آپ نے ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو پکڑا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

کہ اس کے پتے جھڑنے لگے۔ آپ نے فرمایا۔ اے باذر! میں نے جواب دیا کہ (ابوذر) حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا۔ جب مسلمان بندہ خالص اللہ کے لئے نماز پڑھتا ہے۔ تو اس سے اس کے گناہ اسی طرح جھڑتے ہیں۔ جس طرح اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں۔ (مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ، فصل ثالث، بحوالہ احمد)

زید ابن خالد الجہنی سے روایت ہے۔ (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی 'سجدتیں لالیسو فھیما غفر اللہ لہ ما تقدم من ذنبہ' (مشکوٰۃ ص ۵۸، بحوالہ احمد) محدث طبیبی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ کہ "اس حدیث میں غافل نہ ہونے سے مراد حضور قلب اور عبادت کا اس طرح کرنا گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ (مرقاۃ)۔ یہی وہ مقام ہے۔ جو معراج المومنین اور حیات اسلامی کی غایت قصویٰ ہے۔ کہ انسان کے لئے قرب و معیت الہی سے بڑھ کر کوئی شے عزیز و رفیع نہیں ہو سکتی اور انتہائے قرب اس عالم میں نماز ہی میں حاصل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی نے تحریر فرمایا ہے۔

"اور نیز جان لیں۔ کہ دنیا میں نماز کا رتبہ آخرت میں روایت کے رتبہ کی طرح ہے۔ دنیا میں نہایت قرب نماز میں ہے۔ اور آخرت میں نہایت قرب رویت



کے وقت۔ اور جان لیں۔ کہ باقی تمام عبادات نماز کے لئے وسیہ ہیں۔ اور نماز اصلی مقصد۔ (مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب ۱۲، ابنام حاجی خضر افغانی) قرب الہی کے سب سے بڑے مشاق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی وجہ سے بلال کو کہا کرتے تھے۔ (قم یا بلال ارحنی بالصلوۃ) اے بلال اٹھو اور نماز کا انتظام کر کے مجھے راحت پہنچاؤ۔ کہ آتش جبر و فراق نماز ہی سے بجھ کر راحت کا سبب بن سکتی ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ ہی نے فرمایا "انسان آگ میں جلتا رہتا ہے اور نماز سے وہ آگ بجھ جاتی ہے۔ (سیرت النبی جلد ہفتم ص ۴۰، بحوالہ کنز العمال جلد رابع) اغلباً یہی وجہ ہے کہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک جس نے گالیوں کا جواب دعاؤں سے دیا۔ جس نے پھرتوں سے لہو لہان کرنے والے طائف کے باشندوں کو عذاب الہی میں تباہ ہونے نہ دیا۔ جس نے زخم کھا کر اور دانت شہید کروا کر "اللحم اھد قومی فانھم لایعلمون" کا امرت چھڑکا۔ جس نے اپنے جلاوطن کرنے اور ہر قسم کی ایذائیں دینے والوں کو "لا تشریب علیکم الیوم" کے معافی نامے سے نوازا وہ مجسم رحمت ہی اس بات پر مجبور ہو گیا۔ کہ قرب الہی کی ان پر کیف ساعتوں میں محل ہونے والوں پر بددعا کرے۔ چنانچہ عبداللہ ابن

مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ (قال بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم یصلی عند الکعبۃ وجمع قریش فی مجالسہم اذ قال منہم الا تنظرون الی ہذا المرئی الیکم یقوم جزور ال فلان فیعمد الی فرثا ودھا و سلاھا فجئی بہ ثم تمھد حتی اذا سجد وضع بین کتفیه فنبعث اشقام فلما سجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضع بین کتفیه وھبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ساجدا فضحکوا حتی مال بعضهم علی بعض من الضحک فانطلق منطلق الی فاعلمت وحی جویریۃ فاقلت تسمی وھبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ساجدا حتی اتمتہ عنہ واقلت علیم تسمی فلما قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوۃ قال اللهم علیک بتقریش اللهم علیک بتقریش بعر وبن حشام وعتبہ بن ربیعہ وشیبہ بن حشام وعتبہ بن ربیعہ وشیبہ بن ربیعہ والولید بن عتبہ وامیہ بن خلف وعتبہ بن ابی معیط وعمارۃ بن الولید قال عبد اللہ خواللہ لقد راہتھم صرعی یوم بدر ثم سجدوا الی القلیب قلیب بدر فم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واتبع اصحاب القلیب لعتہ (صحیح بخاری) باب المرأۃ تطرح عن المصلی شیاء من الذی ص ۴۷ ج ۱) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس (کعبہ میں) نماز پڑھ رہے تھے اور قریش اس وقت اپنی مجالس میں (کعبہ ہی

میں) جمع تھے کہ ان میں سے ایک نے کہا کیا تم اس ریاکار (نعوذ باللہ محمد  
 الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہو۔ تم میں سے کون فلاں خاندان کے  
 اونٹنوں کے پاس جا کر اونٹنی کی اوجھ (وہ پردہ جس میں صنین ہوتا ہی مع لید  
 اور خون لائے گا۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت دیگا۔ یہاں تک کہ  
 آپ سجدے میں چلے جائیں تو آپ کے کندھوں کے درمیان رکھ دے۔ پس  
 ان میں شقی ترین (عقبہ ابن معیط اس کام کے سرانجام دینے کے لئے) اٹھا  
 اور آپ سجدے میں گئے۔ آپ کے کندھوں پر یہ نجاست رکھ دی اور نبی صلی  
 اللہ علیہ وسلم سجدے ہی میں پڑے رہے۔ کفار قریش نے اس منظر پر ہنسنا  
 شروع کیا۔ یہاں تک کہ منی کے مارے لوٹ لوٹ گئے۔ کسی شخص نے جا  
 کر حضرت فاطمہ (۱۵) بھی کم عمر لڑکی تھیں) کو اطلاع کی۔ وہ دوڑتی ہوئی  
 آئیں۔ سراقدر صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز سجدے میں تھا۔ یہاں تک کہ جناب  
 فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ نے یہ نجاست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں  
 سے اٹھا کر پھینکی۔ اور کفار کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ  
 وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا اے اللہ قریش کو ہلاک کر اے اللہ قریش  
 کو ہلاک کر اے اللہ قریش کو ہلاک کر۔ پھر نام لے کر بددعا دی۔ اے اللہ

عمر و ابن ہشام (ابو جہل) عقبہ ابن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ و لید ابن عقبہ، ایہ ابن خلف، عقبہ ابن ابی معیط اور عمارۃ بن الولید کو ہلاک کر، عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ خدا کی قسم جنہیں حضور علیہ السلام نے بد دعا دی تھی۔ میں نے بدر کے دن انہیں مقتول حالت میں پڑے دیکھا۔ پھر کیچ کر بدر کے کنوئیں میں انہیں ڈال دیا گیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کنوئیں کے رسنے والوں کی لعنت و پھٹکار تابع ہو گئی۔ یعنی یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ملعون ہو گئے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سخت ترین بددعا اس دن نکلی جب کہ غزوہ احزاب میں جنگی مصروفیت کی وجہ سے آپ کی نماز عصر فوت ہو گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ قال لما كان يوم الاحزاب قال رسول الله صلى عليه وسلم ملا الله قبورهم وبيوتهم ناراً كما حبسو نار شفلونا عن الصلوة الوسطى حتى غابت الشمس (صحیح مسلم باب اللیل لمن قال الصلوة الوسطی 'یعنی' صلوۃ العصر ص ۲۲۶ ج ۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ غزوہ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ ان کفار کی قبروں اور کھروں کو آگ سے بھر دے۔ جس طرح انھوں نے ہمیں نماز وسطیٰ (عصر) کے پڑھنے سے مشغول اور باز رکھا۔ یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔ (اور نماز قضا ہو گئی) غور کیجیے وہ رحمت مجسم اور میکہ حلم و کرم جو ایک ایک انسان کو آگ سے بچانے کے لئے رات دن فکر و غم میں کھلا جا رہا تھا۔ ایک نماز کے فوت ہو جانے کی وجہ سے اس قدر آرزوہ خاطر ہو جاتا ہے۔ کہ جن کی ہدایت کے لئے دندان و جبین مبارک زخمی ہونے کی حالت میں بھی زبان سے دعائی کے کلمات نکلے تھے۔ انھیں کی قبور و بیوت کے آگ سے بھرنے کی بدعا کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔ نماز کی اندرونی کیفیتوں کے واقف ہی

جان سکتے ہیں۔ کہ خلوت خاصہ کی کیا راز دارانہ کیف انگیزیاں تھیں۔ جن کی فوئید کی وجہ سے حلم و صبر کا یہ وسیع پیمانہ بھی لبریز ہو گیا۔

میان عاشق و معشوق رمز لیت کر ماکاتبین راہم خبر نیست  
 امام ربانی سرہندی صاحب اپنے مکتوب میں "لی مع اللہ وقت" کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود استمرار وقت کے ایک خاص اور نادر وقت بھی حاصل تھا۔ اور وہ وقت ادا نے نماز کا وقت تھا "الصلوٰۃ معراج المؤمنین" آپ نے سا ہو گا "از حنی یا بلبل" (اے بلبل مجھے غم سے آزاد کر یا راحت پہنچاؤ) اس مطلب کے لئے عادل گواہ ہے اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ (جن سے یہ قول "لی مع اللہ وقت" منقول ہے) بھی وراثت اور تبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل تابعداروں کو آپ علیہ السلام کے تمام کمالات سے وراثت کے طور پر کامل حصہ حاصل ہوتا ہے۔" (مکتوبات امام ربانی دقر اول مکتوب ص ۲۹۲) نماز کی یہی خصوصیات تھیں۔ جن کی وجہ سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اگر اس کی ادائیگی میں کچھ فرق محسوس کرتے تھے۔ تو اشکبار ہو جاتے تھے۔ امام زہری کہتے ہیں۔ کہ دمشق میں میں حضرت

انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو وہ رو رہے تھے۔ میں نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں۔ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی کوئی چیز نہیں پاتا۔ سوائے اس نماز کے اور وہ بھی اب ضائع کی جا رہی ہے۔ (کہ تاخیر سے پڑھی جاتی ہے۔) (صحیح بخاری باب تضييع الصلوة عن وقتها)۔ نبی علیہ السلام اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نماز کے ساتھ جو شغف تھا۔ وہ محتاج بیان نہیں اور حق تو یہ ہے۔ کہ نمازی اسلامی زندگی کا وہ منبع ہے۔ جس سے حیات اسلامی کا ہر دھارا بھوٹ کر نکلتا ہے۔ حیات اسلامی کا دریا اسی کوزے میں بند اور ایمانی زندگی کا صحر اسی ذرہ میں بہتا ہے۔ توحید کے درخت کا پہلا ثمر یہی نماز ہے۔ اور اسلامی زندگی کا ہر گوشہ اسی کے پرتو سے روشن اور اسی کے نور سے منور ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ حجۃ اللہ لکھتے ہیں۔ (اعلم ان الصلوة اعظم العبادات شانا و اوضحها برحاننا و شھر حافی الناس و اخفھا فی النفس و لذالك اعتنى الشارع ببیان فضلها و تعیین وقتها و شروطها و اركانها و ادائها و رخصها و نوافلها اعتناء عظیمًا کم یفعل فی سائر انواع الطاعات و جعلها من اعظم شعائر الدین۔) (حجۃ اللہ البالغہ من ابواب الصلوة)۔ جاننا چاہیئے۔ کہ نماز تمام عبادتوں سے بڑھ کر عظیم الشان ثبوت کے

لحاظ سے سب سے زیادہ یقینی اور سب سے زیادہ مشہور رکن ہے اور نفس انسانی کی اصلاح میں سب عبادتوں سے زیادہ نافع اور موثر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شارح علیہ السلام نے اس کی فضیلت بیان کرنے اس کے اوقات کے تعین اور اسکے شروط و ارکان اور ادب۔ رخصتوں اور نوافل کے بیان کرنے کا سب عبادتوں سے زیادہ اہتمام کیا ہے۔ اس قدر کہ تمام عبادات میں سے کسی کے لئے بھی اتنا اہتمام نہیں کیا۔ اور دین کا اسے ایک عظیم الشان شعار قرار دیا ہے۔

اسرار شریعت کے ایک دوسرے راز دہاں حقیقت نماز کے حقائق کی پردہ کشائی ان اغاظ میں کرتے ہیں۔ "جاننا چاہیئے کہ اسلام کے ارکان میں سے نماز دوسرا رکن ہے۔ نماز تمام عبادات کی جامع ہے۔ اور ایسا جزو ہے۔ جس نے جامعیت کے سبب سے کل کا حکم پیدا کیا ہے۔ اور تمام اعمال قرب سے برتر ہو گئی ہے۔ اور وہ دولت رویت جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات بہشت میں میسر ہوئی تھی۔ دنیا میں نازل ہونے کے بعد اس جہان کے مناسب وہ دولت نماز میں حاصل ہوئی۔ اسی واسطے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ (الصلوۃ معراج المؤمنین) سب سے زیادہ اعلیٰ قرب جو بندے



کوروب سے ہوتا ہے۔ وہ نماز میں ہوتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل تابعداروں کو اس جہاں میں اس دولت کا کافی حصہ نماز میں حاصل ہے۔ اگرچہ رویت میسر نہیں۔ کیونکہ یہ جہاں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ اگر نماز کا حکم نہ ہوتا۔ چہرہ مقصود سے نقاب کون کھولتا۔ اور طالب سے مطلوب کی طرف کون رہنمائی کرتا۔ نماز ہی غم زدوں کی غمگسار ہے۔ اور نماز ہی بیماریوں کیلئے راحت بخش ہے۔ ارحمنی یا بلال اسی ماجرا کی رمز ہے۔ اور قرۃ عینی فی الصلوۃ میں اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے۔ وہ ذوق و مواجید اور علوم و معارف اور مقامات و انوار اور تلونیات و تمکینات اور تجلیات متکلیفہ اور غیر متکلیفہ اور غمورات متلونہ اور غیر متلونہ وغیرہ جو کچھ ان میں سے نماز کے سوا میسر ہوں۔ اور نماز کی حقیقت سے بے خبر ہونے کے باعث ظاہر ہوں۔ ان کا منشا غلال و امثال بلکہ وہم و خیال ہے۔

نمازی جو نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے۔ نماز کی ادائیگی کے وقت کو یا عالم دنیا سے باہر نکل جاتا ہے۔ اور عالم آخرت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس دولت سے جو آخرت سے مخصوص ہے۔ حصہ حاصل کر لیتا ہے۔ اور ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل سے فائدہ پالیتا ہے۔ کیونکہ عالم دنیا

کمالات قلبی پر منحصر ہے۔ اور وہ معاملہ جو ظلال سے باہر ہے۔ وہ آخرت سے مخصوص ہے۔ پس معراج سے چارہ نہ ہو گا۔ اور وہ مومنوں کے حق میں نماز ہے۔ یہ دولت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو اپنے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کے سبب (کہ شب معراج میں دنیا سے آخرت میں چلے گئے اور بہشت میں پہنچ کر حق تعالیٰ کی رویت کی دولت سے مشرف ہوئے) اس کمال کے ساتھ مشرف ہوئی۔ اور اس سعادت سے فیض یاب ہوئی۔ (مکتوب امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی مکتوب ص ۲۶۱) بیشک وہ نماز جس میں قلب مومن ماسوالہ سے فارغ ہو کر صرف اللہ کے ساتھ مشغول ہو چکا ہو سمیت خداوندی کی وجہ سے وہ لامکانی اور دوسرے عالم کی چیز ہے۔ اور حقیقت میں مومن کی معراج ہے۔ اقبال نے جاوید نامہ میں روح زمان و مکان کی زبانی کہا ہے۔

لی مع اللہ ہر کرا در دل نفست آں جو انردے ظلم من شکست

گر تو خواہی من نباشم در میاں لی مع اللہ باز خواں از عین جاں!

یہ نماز ہی ہے۔ جو ایک ناتواں و ضعیف انسان کو ملائعہ اعلیٰ کے انتہائی منازل طے کرا دیتی ہے۔ اور اس عالم میں جمال الہی کے ہر تو سے قلب مسلم ہر

انوارات و تجلیات کی بارش کرتی ہے

دربدن دہدی اگر سوز حیات بہت معراج مسلمان در نماز

نماز کے۔ یہی کلمات ہیں جن کی وجہ سے امام ربانی شیخ احمد سرہندی نے فرمایا ہے۔ (اگر نماز کو کامل طور پر ادا کر لیا۔ تو گویا اسلام کی اصل عظیم حاصل ہو گئی۔ اور خلاصی کے واسطے جل متین ہاتھ آ گئی۔) (مکتوبات امام ربانی مکتوب ب ۳۰۴ بنام مولانا عبدالحی صاحب)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ (اقول الصلوۃ من اعظم شائم الاسلام و علاماتہ التي اذا فقتت ینبئنی ان یتحکم بفقدہ لقوة الملائۃ بینہا و بینہ وایضا الصلوۃ حی المحققۃ لمعنی اسلام الوجه اللہ و من لم یکن لہ حظ منها فانه لم یومن الاسلام لا بما لا یعابہ) (حجۃ اللہ البائتہ جلد اول فضل الصلوۃ) میں کہتا ہوں کہ نماز اسلام کا سب سے بڑا شعار ہے۔ اور اسلام کی ان علامات میں سے ہے جس کے جاتے رہنے کے سبب اگر فقدان اسلام کا حکم کر دیا جاوے تو بجا ہے کیونکہ اسلام میں اور نماز میں بڑا کھرا اور قوی تعلق ہے نیز اسلئے کہ سر نیاز غم کر دینا جو اسلام کے معنی ہیں۔ انھیں نماز ہی پورے طور پر ادا کرتی ہے۔ اور جس کو نماز سے کچھ حصہ نہ ملا۔ تو اسلام سے سوا اس چیز کے جس کی

پرواہ نہیں کی جاتی وہ کچھ حاصل نہ کر سکا (یعنی اسے اسلام کا کچھ فائدہ نہ ہوا۔  
 یہی وجہ ہے کہ جب نماز کی ظاہری صورت بھی دنیا سے اٹھالی جائے گی تو  
 گویا دین کی بنیادوں میں سے آخری چیز بھی اس دنیا سے اٹھ جائے گی۔  
 جیسا کہ حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ (اول ما تفقدون من  
 دینکم الخشوع و آخر ما تفقدون الصلوۃ۔ روح المعانی تفسیر سورہ مومنون بحوالہ  
 حاکم و احمد) تم اپنے دین سے پہلے چیز جو ضائع کرو گے وہ خشوع ہے اور  
 سب سے آخر میں نماز کی ظاہری صورت کو کھودو گے۔ نماز نہ صرف فی نفسہ  
 ایک اہم فریضہ ہے۔ بلکہ مسلمان کی پوری زندگی کو پاک کرنے والا اور فلاح و  
 کامرانی کے مقام تک پہنچانے والا ایک عمل بھی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے  
 ۔ (ان الصلوۃ تھی 'عنا الخشوع والنکر۔ العنکبوت۔ ۵) بے شک نماز روکتی ہے۔  
 بے حیائی اور بری بات سے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ (قد افلح المومنون الذین  
 هم فی صلاتهم خشعون۔ المومنون۔ ۱) یقیناً ان ایمان والوں نے فلاح پائی جو اپنی  
 نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں۔ اس آیت میں ان مسلمانوں کو جو نماز  
 خشوع کی صفت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ فلاح کی بشارت دی گئی ہے۔ اور  
 خشوع ایک ایسی صفت ہے۔ جو زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ اور جس کا

جسمہ نماز سے ہی بھوٹتا ہے۔ چنانچہ مستدرک حاکم اور بیہقی میں ہے۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ایت کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ (المشروع فی القلب وان تکلین کفک للراء المسلم و التفتت فی صلاتک۔ شروع کا مقام قلب ہے۔ اور شروع کا مظہر یہ بھی ہے۔ کہ (تمہارے ہاتھ سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے) تمہارا پہلو ہر مسلمان کے لئے نرم ہو جائے یعنی مسلمانوں سے عاجزی و نرمی برتو۔ اور نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھو۔) اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو خاص ہیں۔ وہ بندوں کے ساتھ عاجزی اور نرمی سے پیش آتے ہیں۔ اور کسی مسلمان کو ایذا نہیں دیتے اور یہ نماز کا ہی نتیجہ ہے۔ کیونکہ نماز سے قلب نرم ہو جاتے ہیں۔ ہمت و جلال الہی احکامات کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ اور جب الہی عظمت و کبریائی انسانی قلب پر محیط ہو جاتی ہے۔ تو خشیت و فروتنی تذلل و عاجزی اس کے اعضا و جوارح سے بھی ظاہر ہونے لگتی ہے۔ پھر اسکی تمام زندگی حکم الہی کے تابع ہو جاتی ہے۔ اور خوف و خشیت اس پر ہمیشہ مستولی رہتا ہے۔ جو اسے محارم الہی سے محفوظ رکھتا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ احیاء العلوم میں ارقام فرماتے ہیں۔ کہ جس کو خشوع نصیب ہوتا ہے۔ وہ نماز اور

شمہ نماز سے ہی بھوٹا ہے۔ چنانچہ مستدرک حاکم اور بیہقی میں ہے۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سؤل کیا گیا۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ (الخشوع فی القلب وان تلین کفک للراء المسلم و التفت فی صلاتک۔ خشوع کا مقام قلب ہے۔ اور خشوع کا مظہر یہ بھی ہے۔ کہ (تمہارے ہاتھ سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہونچے) تمہارا پہلو ہر مسلمان کے لئے نرم ہو جائے یعنی مسلمانوں سے عاجزی و نرمی برتو۔ اور نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھو۔) اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو خاشعین ہیں۔ وہ بندوں کے ساتھ عاجزی اور نرمی سے پیش آتے ہیں۔ اور کسی مسلمان کو ایذا نہیں دیتے اور یہ نماز کا ہی نتیجہ ہے۔ کیونکہ نماز سے قلب نرم ہو جاتے ہیں۔ ہیبت و جلال الہی احکامات کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ اور جب الہی عظمت و کبریائی انسانی قلب پر محیط ہو جاتی ہے۔ تو خشیت و فروتنی تذلل و عاجزی اس کے اعضا و جوارح سے بھی ظاہر ہونے لگتی ہے۔ پھر اسکی تمام زندگی حکم الہی کے تابع ہو جاتی ہے۔ اور خوف و خشیت اس پر ہمیشہ مستولی رہتا ہے۔ جو اسے محارم الہی سے محفوظ رکھتا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ احیاء العلوم میں ارقام فرماتے ہیں۔ کہ جس کو خشوع نصیب ہوتا ہے۔ وہ نماز اور

غیر نماز میں خشوع کیا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ تنہائی اور جائے حاجت میں فروتنی کرتا ہے۔ کیوں کہ خشوع کا موجب اس بات کو جاننا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے حال پر مطلع ہیں۔ اور اللہ کی عظمت اور اپنی تقصیر کو پہچاننا ہے۔ انھیں تین معرقتوں سے خشوع پیدا ہوتا ہے۔

خشوع کی یہ کیفیت جس پر طاری ہو گئی۔ ظاہر ہے۔ کہ اسکی زندگی تمام تر عرفان الہی میں ڈوب کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی حیات طیبہ میں تبدیل ہو جانے کی۔ کہ ہر وقت الہی عظمت اور اپنی ہر قصور زندگی کی غلش اسے اسوہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رہنمائی کرے گی۔ کہ نجات کا ذریعہ بیماروں کی شفا اور گنہگاروں کا سہارا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا بتلایا ہوا ملکوتی طریقہ زندگی ہے۔ جو نماز ہی سے بدرجہ حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

(لما كانت فائدة الصلوة وحی الخوض فی البحة الشهود والا نلاک فی سلک الملائکة لا تحصل الا بمداومة علیها و ملازمة بها و اکثر منها حتی تطرح منہم اثقالہم ولا يمكن ان یومروا بما یفنی الی ترک الار تفاقات الضرورة والا نسلخ عن احکام الطبعیة بالکلیة او جبت الحکمة الالہیة ان یومروا بالمحافظة علیها والتعهد لها بعد کل بر حة من

الذمان يكون انتظارهم للصلاة و تمضيوم لها قبل ان يفعلوها و بقية لونها و صباية نورها بعد ان يفعلوها في حكم الصلاة و تكون اوقات الغفلة مضمومة بطمح بصر الى ذكر الله و تعلق خاطر بطاعة الله فيكون حال المسد كحال حصان مربوط باخية يتن شرفا و شرفين ثم يرجع الى اخية و يكون ظلمة الخطايا والغفلة لا تمدخل في جذر القلوب وهذا هو الدوام المتيسر عند ما تمتنع الدوام الحقيقي - بحمد الله جل جلاله

اول اوقات الصلاة

كيونکہ نماز کا فائدہ یعنی دریائے شہود میں غوطہ زنی در طائکہ کے ساتھ مجانت پیدا کر لینا بغیر نماز کی مداومت اس کے التزام اور اسکی کثرت کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی اس (مداومت التزام و کثرت نماز) کے بغیر اقبال طبع لوگوں کے اوپر سے ہٹ سکتا ہے۔ اور یہ بات ناممکن ہے کہ ان کو ایسا حکم دیا جائے کہ ان کو تدبیر ضروریہ کا ترک کرنا اور احکام طہیہ سے بھل خارج ہو جانا پڑے۔ اس واسطے حکمت الہی کا مقتضی 'ہوا کہ ان کو وقت کے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد نماز کی پابندی اور اس کی مداومت کا حکم دیا جائے۔ یا کہ نماز سے پیشتر اس کا انتظار کرنا اور اس کے لئے تیار رہنا اور نماز پڑھ لینے کے بعد اسکے نور کا اثر اور اس کے رنگ کا نتیجہ بھی بمنزلہ نماز ہی کے



ہو جائے اور غفلت کے اوقات میں بھی خدا تعالیٰ کا ذکر مد نظر رہا کرے۔ اور اسکی طاعت میں دل معلق رہے۔ پس مسلمان کا حال اس کھوڑے کا سا رہتا ہے۔ جو اپنے تھان پر بندھا رہتا ہے۔ وہ ایک دو دفعہ دوڑ لگاتا ہے اور اپنے تھان کی طرف واپس ہو جاتا ہے اور نماز کی پابندی سے غفلت اور گناہوں کی سیاہی دلوں کے اندر نہیں بیٹھتی۔ اور حقیقی مداومت کے ناممکن ہونے کی صورت میں یہی دوام میسر ہو سکتا ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کی یہی حالت تھی۔ ان کے اعضاء و جوارح دنیاوی مشاغل میں ہوتے تھے۔ لیکن ان کے دل ذکر الہی سے زندہ اور ان کے قلوب مساجد میں معلق ہوتے تھے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ یہ لوگ (صحابہ) خرید و فروخت اور تجارت کرتے تھے۔ لیکن جب خدا کا کوئی معاملہ پیش آتا تھا تو یہ شغل ان کو یاد الہی سے غافل نہیں کرتا تھا۔ بلکہ وہ اسکو پوری طرح ادا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری باب التجارۃ فی البرمرسلہ) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ ایک دفعہ وہ بازار میں تھے۔ نماز کی تکبیر ہوئی۔ دیکھا کہ صحابہ نے دکانیں فوراً بند کر دیں اور مسجد میں داخل ہو گئے۔ (فتح الباری ص ۲۵۳ ج ۲ بحوالہ عبدالرازق) قرآن حکیم نے خود کو ہی دی ہے۔ (رجال لا تہتمیم تجارۃ

ولایع عن ذکر اللہ و اقام الصلوٰۃ و ایاء الزکوٰۃ۔ (النور) وہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ کی یاد سے اور (بالخصوص) نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے تجارتی کاروبار اور خرید و فروخت کی مشغولیت غافل نہیں کر سکتی۔

نماز کے بعد اس کے اثرات کے متعلق امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں۔ کہ ”یحییٰ ابن وثاب جب نماز پڑھ لیتے تو کسی قدر ٹھہرتے اور ان کے چہرے سے رنج و غم کے آثار ظاہر ہوتے۔ (اور ابراہیم نخعی بعد نماز کے ایک کھنڈ ٹھہرے رہتے تھے۔ گویا کہ بیمار ہے۔ یہ صورت ان نماز گزاروں کی ہوتی ہے جو خشوع کرتے ہیں۔ اور نماز کی بحمدِ اشت اور مدامت کرتے ہیں۔ اور جتنی ان کو بندگی میں مقدور و طاقت ہوتی ہے۔ اسکے موافق اللہ تعالیٰ کی مناجات میں مصروف ہوتے ہیں۔ غور کیجئے کہ ایک شخص جب نماز سے پہلے اسی نماز کے اہتمام و انتظار میں رہتا ہے۔ اور نماز کے بعد بھی نماز کے روحانی اور نورانی اثرات اس پر چھائے رہتے ہیں۔ تو گویا اس کا تمام وقت نماز ہی میں گذرتا ہے۔ اسکی خرید و فروخت اس کا کاروبار اس کے دنیوی مشاغل اسکی زندگی کی ہر حرکت نماز ہی میں شمار ہوتی ہے۔ یقیناً ایسا شخص جو ہر وقت بارگاہِ ایزوی میں حاضر ہونے کے خیال میں لگا رہے۔ کبھی رب العزت کے

احکامات کے خلاف ورزی طبعاً نہیں کر سکتا۔ کہ ادا کردہ نماز کی کیفیات ہنوز باقی ہیں۔ اور دوسری نماز کے وقت پر ادا کرنے کا خیال دل میں چٹکیاں لے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دربار عالی میں منجوقہ حاضری کا خیال اور مالک الملک کی بارگاہ بے نیاز میں پر قصور بندے کی بار بار طلبی رفتہ رفتہ اسے گناہوں سے قطعاً گریزاں کر دیتی ہے۔ اور اس کے ذہن میں عبادت الہی کا ایسا جذبہ پیدا کر دیتی ہے۔ کہ اسکی زندگی سراپا تقویٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ زندگی میں ڈھل جاتی ہے۔ اس کا دل ہر وقت جذبہ عبادت سے معمور اور اسکے اعضاء و جوارح اور اہلیہ کی پابندی میں مشغول رہتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ "قیامت کے دن جب خدا کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا سات شخصوں کو خدا اپنے سایہ میں لے گا۔ جن میں ایک شخص کی تعریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی ہے۔ (رجل قلبه معلق فی المسجد۔ بخاری کتاب الحاربین باب فضل من ترک الفواحش ص ۱۰۰ ج ۲) وہ شخص جس کا دل مسجد میں لٹک رہا ہو (یعنی ہر وقت نماز کے خیال و فکر میں رہتا ہو) الغرض نماز کی باقاعدہ ادائیگی اور دربار الہی کی حاضری کی جہم فکر انسانی خیالات و اعمال کو یکسر بدل کر رکھ دیتی

ہے۔ شاید اسی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ (راس الامر ۱۱  
 سلام و عمودہ الصلوۃ۔ جامع ترمذی جلد ثانی باب ماجاء فی حرمة الصلوۃ ص ۸۶  
 دینی زندگی کا سر اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے۔) اور عارف سرہندی  
 کے اس قول کا بھی یہی غالباً مدعا ہے۔ "اگر نماز کو کامل طور پر ادا کر لیا تو  
 گویا سلام کا اصل عظیم حاصل ہو گیا۔ اور خلاصی کے لئے جبل متین ہاتھ  
 آگئی۔" (مکتوبات امام ربانی مکتوب ۲۰۴)

قیامت میں بھی نماز ہی انسانی اعمال کا معیار و میزان ہو گی۔ اگر وہ صحیح  
 ٹھہری تو نجات یقینی ہے۔ ورنہ خسران کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ امام  
 ترمذی ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ (قال سمعت رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم يقول ان اول ما يحاسب به العبد يوم القيمة من عمله صلاته فان  
 صلحت فقد افلح ونجح وان فسدت فقد خاب وخسر فان انتقص من فريضة شيئا قل  
 الرب تبارك وتعالى انظر واهل لعبدى من تطوع فكميل بها ما انتقص من  
 الفريضة ثم يكون سائر عمله على ذالك۔ جامع ترمذی ص ۵۵ ج ۱ باب ماجاء ان اول  
 ما يحاسب به العبد يوم القيمة الصلوۃ۔ ابو ہریرۃ کہتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ کہ قیامت میں بندے کا سب سے پیشتر

نماز کا حساب ہو گا۔ اگر نماز صحیح ٹھہری تو فلاح و نجات پا جائے گا۔ اور اگر نماز خراب نکلی تو تباہ اور خسارہ پانے والوں میں ہو جائے گا۔ اگر فرض نماز میں کمی ہوئی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ میرے بندے کی نفلی نمازوں کو دیکھو اور فرائض میں جو کمی رہ گئی ہو وہ نوافل سے پوری کرو۔ پھر اس کے باقی اعمال کا فیصلہ بھی اسی اصول پر کیا جائے گا۔) پھر یہ نماز جس طرح آخرت میں فلاح و کامیابی کا وسیلہ ہے۔ اور جس طرح یہ ہماری انفرادی زندگیوں کو پاک کرنے کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح جسم ملت میں اجتماعیت کی روح بھونکنے اور امت اسلامیہ کے متفرق موتیوں کو ایک لڑی میں منسلک کرنے کا نسخہ بھی یہی نماز ہے۔ اسلام میں نماز باجماعت کی جو اہمیت ہے۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں حضرت عبداللہ بن مسعود سے صحیح مسلم اور نسائی وغیرہ میں روایت ہے۔ (قال من سرہ ان یلقی اللہ تعالیٰ غداً مسلماً فلیحفظ علیٰ حذوہ اصولوت حیث ینادی 'بھن فان اللہ شرع لنبیکم سنن الہدیٰ وانھن من سنن الہدیٰ' ولوا نکم صلیتم فی یونکم کما یصلی هذا المستخلف فی بیتہ لترکتہ نبیکم ولو ترکتہ نبیکم لضلتم وامن رجل یتطہر فیحسن الطہور ثم یمدلی بسجد من هذا المساجد الا کتب اللہ لہ بكل خطوة یمطو حاحۃ ویرفعہ بحدرجہ ویمط عنہ بھا

سیدہ و تقدرائینا وما - خلف عنہا الامناف معلوم النفاق ولقد کان الرجل یوتی بہ  
یہادی بنی المرجلین حتی یقام فی الصنف - صحیح مسلم باب فضل صلوة الجماعة  
حیث ینادی بھام (ج ۱۲۵) حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں - کہ جس کی خواہش  
ہو کہ کل (قیامت کے روز) وہ اللہ سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملے -  
اسے چاہئے کہ ان نمازوں کو پابندی سے وہاں مسجد میں جماعت سے ادا  
کرے جہاں سے ان نمازوں کیلئے ندا (یعنی اذان دی جاتی ہے - اللہ تعالیٰ نے  
تمہارے نبی علیہ السلام کے لئے ہدایت کے طریقے مقرر کیے ہیں - اور یہ  
نمازیں ان ہدایت کے طریقوں ہی میں سے ہیں - اور اگر تم اس جماعت سے  
چھپے رہ جانے والے کی طرح جو گھر میں نماز پڑھتا ہے - گھروں میں نمازیں  
پڑھو گے تو اپنے نبی علیہ السلام کی سنت کو چھوڑ دو گے - اور اگر تم اپنے نبی  
علیہ السلام کی سنت کو چھوڑ دو گے - تو کراہ ہو جاؤ گے - جو شخص بھی ابھی  
طرح وضو کر کے ان مساجد میں سے کسی مسجد کی طرف جاتا ہے - اللہ اسکے  
ہر قدم کے بدلے اسکی ایک نیکی لکھتا ہے - ایک درجہ بڑھاتا ہے اور ایک گناہ  
معاف کرتا ہے - اور ہم (صحابہ) دیکھتے تھے - کہ نماز جماعت سے صرف غیر حاضر  
ایسے ہی اشخاص ہوتے تھے - جن کا نفاق معلوم اور مسلم ہوتا تھا - اور یہ حالت

بھی ہم نے دیکھی تھی۔ کہ ایک شخص (بیماری کی وجہ سے دو آدمیوں کے درمیان میں کھٹتا ہوا لایا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ صف کے درمیان میں کھڑا کر یا جاتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے۔ (عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد ناسانی بعض الصلوۃ فقال لقد سمعت ان امر رجلاً یصلی بالناس ثم اخالف الی رجال یتخلفون عنہا فامرہم فہر قوا علیکم لہزم الحطب یوتہم ولو علم احدہم انہ یجد عظمائہما یشہدہا یعنی صلوۃ العشاء (صحیح مسلم باب فضل الصلوۃ بخاری باب وجوب صلوۃ الجماعۃ باختلاف یشیر) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے۔ کہ نبی علیہ السلام نے کچھ لوگوں کو بعض نمازوں میں نہ پایا تو فرمایا کہ میرے جی میں آتا ہے کہ کسی شخص کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم کروں پھر خود ان لوگوں کی تلاش کروں جو جماعت کے نماز سے بیٹھ رہتے ہیں۔ (یعنی نماز میں نہیں آتے) پھر حکم کروں کہ لکڑیوں کے گٹھوں سے ان کے کھر جلا دیے جاویں اور اگر ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہو کہ اسے چھکنی و چرب ہڈی (جیسی حقیر) چیز بھی ملتی تو (دنیاوی فائدے کی لالچ کی وجہ سے) ضرور عشاء کی جماعت میں وہ آتا۔ امام احمد نے اسی قسم کا مضمون

ان الفاظ سے روایت کیا ہے۔ (قال لولامانی البیوت من النساء والذریۃ اقیمت  
صلوۃ العشاء وامرت فتیانی بحرقون مانی البیوت بالنار۔ مشکوٰۃ ص ۹۷ باب الجماعۃ و  
فضلہا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر ان (لوگوں کے) کھروں  
میں (جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے) عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں یہاں  
عشاء کی نماز شروع کراتا۔ اور اپنے چند نوجوانوں کو حکم دیتا کہ ان کھروں  
میں جو کچھ ہے۔ اسے آگ سے جلا دو۔ جماعت کی تاکید اور اہمیت کے بارہ  
میں چند روایتیں ذیل کی اور بھی پڑھ لیجئے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ  
جس نے اذان سنی اور پھر بغیر عذر کے اس کی اجابت (یعنی جماعت کے ساتھ  
نماز ادا) نہ کی۔ اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (ابن ماجہ باب التخلیۃ فی الخلف عن الجماعۃ  
مشکوٰۃ باب الجماعۃ وفضلہا۔ بحوالہ دارقطنی) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں  
کہ آدمی کے کانوں میں دانگ پکھلا کر بھر دیا جاوے تو اس سے بہتر ہے۔  
کہ آذان سنے اور نماز کو نہ آوے۔ (احیاء العلوم غزالی) ابن ماجہ اسامۃ ابن زید سے  
روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (لیتھین رجال  
عن ترک الجماعۃ اولاً حرقن بئوتہم۔ ابن ماجہ باب التخلیۃ فی الخلف عن الجماعۃ)  
لوگ ترک جماعت سے باز آجائیں ورنہ میں ان کے کھروں میں آگ



لوگوں کا۔ امام ترمذی نے ابن عباس کا ایک فتویٰ نقل کیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ قرن اول میں ترک جماعت کو کتنا برا گناہ اور سنگین جرم سمجھا جاتا تھا۔

(قل مجاہد و سئل ابن عباس عن رجز یوم النصار و یقوم اللیل لایشهد جمعة ولا جمعة فقل هو فی النار - سنن ترمذی باب ما جاء فیمن سمع النداء فلا یمجب) مجاہد کہتے ہیں۔ کہ حضرت ابن عباس سے ایسے شخص کی نسبت پوچھا گیا جو دن کو روزہ رکھتا ہو رات قیام کرتا ہو اور جمعہ اور جماعت میں حاضر نہ ہوتا ہو۔ آپ نے فرمایا۔ وہ آگ میں ہے۔ یعنی جہنم میں جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کسی بستی میں یا صحرا میں اگر تین آدمی بھی ہوں اور وہ جماعت سے نماز ادا نہ کریں تو ان پر شیطان کا تسلط ہے۔ یہ حدیث مشہور صحابی ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ (سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من جمعة فی قریة ولابد لا تقام فیهم الصلوة الا قد استحوذ علیهم الشیطان فعلیکم بالجماعة فانما یاکل الذئب الغنمۃ قال السائب یعنی بالجماعة فی الصلوة - سنن نسائی باب التصدید فی ترک الصلوة مشکوٰۃ ص ۹۶) ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ کہ اگر کسی قریہ یا صحرا میں تین آدمی ہوں اور وہاں جماعت سے نماز قائم نہ کی جائے تو ان پر شیطان غلبہ پائے گا۔ میں جماعت کی پابندی کرو کہ بھیڑ یا (کڈریے سے پرے اکیلی)

بکری کو کھاجاتا ہے۔ سائب راوی کہتے ہیں۔ "کہ جماعت سے مراد جماعت  
 کے ساتھ نماز ہے۔" جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے نماز کا ثواب بھی بدر  
 جابذہ جاتا ہے۔ چنانچہ صحاح کی یہ مشہور حدیث ہے۔ (قال صلوة الجماعة  
 تفضل صلوة الفذ بسبع وعشرين درجة۔ بخاری باب فضل الجماعة، مسلم باب فضل  
 الجماعة) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جماعت کے ساتھ کی نماز  
 اکیلی نماز پڑھنے سے سائنس درجے فضیلت رکھتی ہے۔ بعض روایتوں میں  
 آتا ہے کہ "جماعت کی نماز اکیلی نماز سے پچیس درجے فضیلت رکھتی ہے"  
 حضرات محدثین نے پچیس اور سائنس کے اس فرق کے متعلق فرمایا ہے۔  
 کہ یہ فرق اخلاص اور باطنی کیفیات کی وجہ سے ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔  
 جماعت سے نماز پڑھنے کی فضیلت ہی کے بارہ میں چند حدیثیں ذیل کی اور  
 بھی پڑھ لیجئے۔ ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے۔ (قال قال النبی صلی اللہ علیہ  
 وسلم اعظم الناس اجرانی الصلوة ابدعہم فابعدہم ممشی دالذی یتظر الصلوة  
 حتی یصلیھا مع اللام اعظم اجرآ من الذی یصلی ثم نیام۔) (صحیح بخاری باب  
 فضل صلوة النفر فی جماعۃ ورواہ مسلم نحو ص ۲۳۵ ج ۱) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ  
 عنہ کہتے ہیں۔ کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ نماز میں سب سے زیادہ اجر پانے

والا وہ شخص ہے۔ جو مسجد سے سب سے زیادہ دور رہتا ہے۔ (کہ جتنے زیادہ قدم مسجد کی طرف اٹھائے گا۔ اتنا اجر زیادہ ہوگا) اور جو شخص نماز کا انتظار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ امام کے ساتھ جماعت سے پڑھ لے وہ اس شخص سے بہت زیادہ ثواب پانے والا ہے جو اکیلا پڑھ کر سو جاتا ہے۔ صحیح بخاری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ کہ (قال لم یعلم الناس مانی المدا والصف الاول ثم لم یجدوا الا ان یستحموا علیہ لاستحموا علیہ ولو یعلمون مانی التعمیر لاستبقوا الیہ ولو یعلمون مانی العتہ والصبح لا توحموا ولو حیوا۔ بخاری جلد اول باب فضل التعمیر) نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اگر لوگوں کو اذان اور پہلی صف کے اجر و ثواب کا علم ہو جاتا تو ان کے حصول کے لئے قرعہ اندازی کی نوبت آجاتی (کہ ہر شخص خود یہ فضیلت لینا چاہتا) اور اگر لوگوں کو دوپہر میں پہلے آنے کا اجر معلوم ہوتا تو ضرور اس کی طرف (جلدی) بڑھتے۔ اور اگر صبح اور عشاء (کی جماعت) کی نماز کا اجر معلوم ہوتا تو کھینٹے ہوئے (مساجد) میں پہنچتے۔

عبدالرحمن ابن ابی عمرہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں داخل ہوئے اور اکیلے بیٹھ گئے۔ عبدالرحمن کہتے ہیں۔ کہ میں بھی ان کے ساتھ جا بیٹھا۔ مجھے فرمانے لگے۔ کہ اے بیٹھے

۱ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ کہ جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی گویا اس نے نصف شب قیام (عبادت الہی میں) گزار دی۔ اور جس نے صبح (صبحی) جماعت کے ساتھ پڑھی گویا وہ تمام رات نماز میں مصروف رہا۔ (مراد یہ ہے کہ اسے تمام رات کی عبادت کا ثواب ملے گا۔ صحیح مسلم باب فضل صلوٰۃ الجماعت)۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ جب تک تم میں سے کوئی نماز کے انتظار میں اس حالت بیٹھا رہتا ہے۔ کہ اس کے اہل کی طرف جانے سے سوا نماز کے دوسری چیز مانع نہیں ہوتی (یعنی خالص نماز کے انتظار میں ہوتا ہے) اس کا یہ تمام انتظار کا وقت نماز ہی میں محسوب ہو گا۔ (صحیح مسلم ص ۲۳۵ ج ۱) جابر ابن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے کھر مسجد سے پرے (کچھ دور) تھے۔ ہم نے ارادہ کیا کہ اپنے کھر بیچ کر مسجد کے قریب سکونت اختیار کر لیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا۔ اور کہا کہ مسجد (کی طرف نماز کی نیت سے آنے پر) ہر ہر قدم پر تمہیں درجہ ملتا ہے۔ (صحیح مسلم باب فضل المکتوبہ) بریدہ اسلمی سے روایت ہے۔ (عن بریدۃ الاسلمی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال بشر المثنائین فی الظلم الی المساجد

بالنور التام يوم القيامة - جامع ترمذی باب جاء فی فضل العشاء والنہر فی جماعت  
 وقال الترمذی هذا حدیث غریب (بریدۃ السعی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
 سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رات کے اندھیروں میں مساجد کی طرف جانے  
 والوں کو قیامت کے دن کامل روشنی کی بشارت دے دو۔ ابن ماجہ نے  
 حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے فرمایا :- (لن صلی فی مسجد جماعتہ اربعین لیلة لا تقوتہ ا رکعة الا ولی من  
 صلوۃ العشاء کتب اللہ لہ عتقا من النار۔ ابن ماجہ صلوۃ العشاء والنہر فی جماعتہ) جس  
 نے چالیس رات مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی کہ عشاء کی پہلی رکعت  
 اس سے فوت نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جہنم سے آزادی دے گا۔ احیاء  
 العلوم میں امام غزالی نے نقل کیا ہے۔ کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں :- (من  
 صلی اربعین یوما الصلوات فی جماعتہ لا تقوتہ فیھا تکبیرۃ الاحرام کتب اللہ لہ برہ  
 تین براتہ من النفاق وبرۃ من النار) جو شخص چالیس روز جماعت کے ساتھ  
 اس طرح نماز پڑھے کہ اسکی تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے  
 دو آداب لکھ دیتا ہے۔ ایک نفاق سے اور دوسرے دوزخ کی آگ سے۔  
 جماعت کی یہی فضیلت تھی۔ جس کی وجہ سے نبی علیہ السلام دو اور تین

آدمیوں کو بھی جماعت ہی سے نماز ادا کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ مالک ابن الحوٹ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ میں اور میرا ایک دوسرا ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور جب ہم آپ کے پاس سے واپس جانے لگے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ (اذا حضرت الصلوۃ فاذا نائم انیما ولیوء کمما کبر کما۔ صحیح مسلم باب من احق بالامۃ بخاری نے اس حدیث کے آخری اضافہ روایت کیئے ص ۹۰ ج ۱) جب نماز کا وقت ہو جائے تو اذان دو بھر دونوں نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور تم دونوں میں سے بڑا امامت کرے۔ سمرۃ ابن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :- امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کنا مشیتہ ان یتقدمنا احدنا۔ (جامع ترمذی باب ماجاء فی ارجل یصلی مع اربعین) ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جب ہم تین آدمی بھی ہوں تو ایک آگے بڑھے (یعنی نماز باجماعت ادا کی جائے) ابو سعید کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تین آدمی ہوں تو ایک ان میں سے (نماز میں) امامت کرے اور امامت کا ان میں سے زیادہ حقدار قرآن کا زیادہ جاننے والا ہے (ابو کمال) (سنن نسائی الجماعۃ اذا کانوا اثنین) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیمات تھیں۔ جنہوں نے مسلمانوں کو جماعت کا اس قدر پابند بنادیا تھا۔ کہ

جماعت کے بغیر انھیں چین ہی نہیں آتا تھا۔ چنانچہ بخاری نے تعلیقاً روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں آئے جہاں نماز ہو چکی تھی۔ آپ نے وہاں اذان و اقامت کہہ کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ (صحیح بخاری باب وجوب صلوٰۃ ---) امام بخاری نے حضرت اسود ابن یزید (مشہور تابعی) کے متعلق نقل کیا ہے۔ کہ جب ان سے ایک مسجد میں جماعت فوت ہو جاتی تو دوسری مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے۔ (کہ جماعت مل جائے) صحیح بخاری ص ۸۹ ج ۱) امام غزالی نے احیاء العلوم میں نقل کیا ہے۔ کہ میمون ابن مہربن مسجد میں آئے کسی نے ان سے کہا کہ لوگ تو نماز پڑھ کر چلے گئے۔ کہا اس جماعت کی فضیلت مجھ کو عراق کی حکومت کی نسبت زیادہ پسند ہے۔ سعید ابن مسیب فرماتے ہیں۔ کہ بیس برس کے عرصہ سی میرا یہ حال ہے۔ کہ جب موذن نے اذان دی تو میں مسجد میں ہوتا ہوں۔ (احیاء العلوم) امام مالک نے ابو بکر ابن سلیمان سے روایت کیا ہے۔ کہ ایک دن حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت سلیمان ابن ابی حثمہ کو صبح کی نماز میں نہیں پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح بازار جایا کرتے تھے اور سلیمان کا مکان مسجد اور بازار کی درمیان تھا۔ آپ کا گزر سلیمان کی والدہ شفاء

پر ہوا۔ آپ نے ان سے پوچھا کیا وجہ ہے۔ کہ ارج سلیمان صبح کی نماز میں حاضر نہیں تھے۔ سلیمان رضی اللہ عنہ کی والدہ شفا (نامی) نے جواب دیا کہ تمام رات وہ بیدار رہ کر نماز پڑھتے رہے ہیں اور صبح کے وقت نیند کے غلبہ سے ان کی آنکھ کٹی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھوں تو مجھے یہ تمام رات کے قیام سی زیادہ عزیز ہے۔ (مشکوٰۃ باب الجماعت وفضلا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود جس قدر جماعت کی پابندی کرتے تھے۔ اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے۔ کہ مرض وفات میں بھی جب تک ممکن تھا۔ آپ علیہ السلام نے جماعت ترک نہیں کی۔ اسود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث کے ضمن میں روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے۔ کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لوگوں کو نماز پڑھانے نکلے۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری میں کچھ افاقہ محسوس کیا۔ تو دو آدمیوں کے سہارے اسی وقت مسجد اشرف لا کر شریک جماعت ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اصل الفاظ صحیح بخاری میں یہ ہیں :- فخرج بها دی بین رجلین کالی انظر الی رجلیہ تمطآن الارض من الوجع۔ نبی علیہ السلام دو



آدمیوں کے درمیان ان پر سہارا کرتے ہوئے نکلے۔ گویا کہ میں آپ علیہ السلام کے پاؤں مبارک کو دیکھ رہی ہوں کہ زمین پر درد کی شدت سے کھسپتے چلے جا رہے ہیں۔ اور اٹھا نہیں سکتے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنا چاہا۔ نبی علیہ السلام نے انھیں اپنی جگہ پر ٹھہرے رہنے کو کہا۔ اور ان کے پہلو میں آکر بیٹھ گئے۔ اور نماز ادا کی۔ (صحیح بخاری باب حد البریضان یشہد الجماعۃ) آپ علیہ السلام کی ارشادات و عمل نے صحابہ کو جماعت و مساجد کا شیدا کر دیا تھا۔ اور جماعت کی پابندی اور مسابہ میں اس باہمی میل جول نے انھیں اخوت کے حقیقی رشتوں میں جوڑ کر اپنی دیوار کی طرح مضبوط کر دیا تھا۔ اور محبت و الفت کا وہ جذبہ دلوں میں پیدا کر یا تھا۔ کہ ملت اسلامیہ کی حیثیت باہمی ہمدردی میں جد و احد کی ہو گئی تھی کہ اگر ایک مسلمان بھائی کا سر دکھتا تھا۔ تو دوسرا بے قرار ہو جاتا تھا۔ ایک کو تکلیف پہنچتی تھی۔ تو دوسرا بے تاب ہو جاتا تھا۔ اجتماعیات کے واقف جانتے ہیں۔ کہ قوم و ملت کا قالب ہمیشہ اس روح سی قائم رہتا ہے۔ جو اسکی جماعتی زندگی کا شیرازہ اس جذبہ یا تعلق سے مربوط رکھتی ہے جو جذبہ مختلف الخیال اشخاص کو ایک رشتہ میں منسلک کرتا ہے۔ یہی تعلق و جذبہ ہوتا ہے جو اقوام و ملل کی رگ زلیست

کا حکم رکھتا ہے۔ جب مختلف اخیال اشخاص و افراد پر خیالات و کیفیات کی ایک ہی روح طاری ہو جاتی ہے تو اس جذبہ قومی کی تخلیق ہوتی ہے۔ یہی جذبہ قومی ہے۔ جس سے قوموں کی زندگی وابستہ ہے۔ اور امت مرحومہ میں اس جذبہ کی پرورش و ترقی کا ایک خاص ذریعہ نماز باجماعت بھی ہے۔ جو ایک طرف باہمی ربط و ضبط، الفت و محبت پیدا کرتی ہے۔ اور دوسری طرف وہ الہی رابطہ پیدا کرتی ہے۔ جو ملت اسلامیہ کے شیرازے کی زریں ملک اور آہنی کڑی ہے۔ اور یہی تعلق و رابطہ تمام ملت اسلامیہ کو ایک الہی رنگ میں رنگ کر امت مسلمہ کی تخلیق کا باعث بنتا ہے۔ کہ ان کامرنا جیسا ب اللہ کے لئے ہوتا ہے۔ روزانہ ایک امام کے چھپے پانچ وقت نماز ہم میں طاعت امیر، ضبط و نظم، ہمدردی و موصات، باہمی محبت و الفت کا جذبہ پیدا کر کے ہماری رکوں میں اجتماعیت کا وہ خون دوڑاتی ہے۔ جو قوموں کے لئے حیات تازہ کا حکم رکھتا ہے۔ چنانچہ جب ہمارے دن اچھے تھے۔ تو ہماری قومی زندگی کا ہر چشمہ ہماری مساجد ہی سے بھونٹتا تھا۔ قرن اول میں الصلوٰۃ جامعۃ کی منادی کے بعد ہر مشعل و ہم قومی مسئلہ کی کرہ کٹائی، ذکر و علم کے حلقے، جوش کی روانگی، مقدمات کا فصل، ملی مشورے سب مسجد ہی میں ہوتے تھے۔

غرض ہماری پوری اجتماعی زندگی مسجد ہی کے محور کی گرد کھومتی تھی۔  
 اسلام میں مسجد کی جو اہمیت ہے۔ وہ سرف اس سے ظاہر ہے۔ کہ ہماری  
 اجتماعی اور مدنی زندگی کی تعمیر بھی مسجد ہی کی بنیادوں پر کی گئی چنانچہ  
 ہجرت مدینہ (جو کہ ہماری اجتماعی اور مدنی زندگی کا نقطہ آغاز ہے) کے بعد  
 معمار امت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جو عظیم الشان کام سرانجام  
 دیا۔ وہ مسجد کی تعمیر ہی تھی۔ تعمیر کے وقت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم  
 مزدوروں کے لباس میں خود متھڑاٹھا رہے تھے۔ اور زبان کلمات جاری تھے۔  
 اللهم لاخیر الاخیر الاخرۃ۔ فاضل الانصار والمہاجرۃ۔ بخاری ص ۵۵۹ ج ۱ باب  
 مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی الدینۃ (اے اللہ بھلائی تو حقیقتاً چیز  
 آخرت ہے۔ تو انصار و مہاجرین کی مدد کر کہ وہ خیر آخرت کے طالب ہیں۔  
 سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رجز کیا اس حقیقت کی طرف اشارہ نہیں  
 کر رہا ہے۔ کہ خیر آخرت جو اسلامی حیات طیبہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ وہ مسجد ہی  
 کے دامن میں برک و بار پیدا کرتی ہے۔ اور ملت صنیعی کے موسس اول  
 حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کعبہ (دنیا کی سب سے پہلی مسجد) کی  
 دیواریں اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے جو دعا کی تھی۔ جس کا ذکر قرآن مجید

نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ (واذا رفع ابراہیم القواعد من البیت واسمعیل ربنا  
 تقبل منا انک انت السميع العليم ہ ربنا ولا تجعلنا مسلمین لک ومن زیرتنا امۃ  
 مسلمہ لک وارنا منا مکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔ اور جب اٹھا رہے  
 تھے۔ ابراہیم علیہ السلام دیواریں خانہ کعبہ کی اور اسمعیل علیہ السلام بھی (اور  
 یہ کہتے جاتے تھے۔ کہ) اے ہمارے پروردگار (یہ خدمت) ہم سے قبول  
 فرمائیے۔ بلاشبہ آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار  
 ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنا لیجئے۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی  
 جماعت (پیدا) کیجئے۔ جو آپ کی مطیع ہو اور (نیز) ہم کو ہمارے حج (وغیرہ)  
 کے احکام بھی بتا دیجئے۔ اور ہمارے حال پر توجہ رکھئے۔ اور فی الحقیقت آپ  
 ہی ہیں توجہ فرمانے والے مہربانی کرنے والے۔ تو حضرت ابراہیم و  
 اسماعیل علیہما السلام کی اس دعا میں بھی اس طرف اشارہ تھا۔ کہ امت مسلمہ  
 کی زندگی مسجد سے ہی کسی نہ کسی طرح وابستہ ہے۔ نماز و مسجد کا اسلامی  
 انفرادی و اجتماعی زندگی کی تعمیر میں جو حصہ ہے اس کو حضرت علامہ سید  
 سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان ارشادات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش  
 کیجئے۔ فرماتے ہیں "ان تمام امور کو سامنے رکھنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

کہ نماز اسلام کا اولین شعار اور اسکے مذہبی و اجتماعی و تمدنی و سیاسی و اخلاقی مقاصد کی آئینہ دار ہے۔ اسی کی شیرازہ بندی سے مسلمانوں کا شیرازہ بندھا تھا۔ اور اسی کی گرہ کھل جانے سے انکی نعم و جماعت کی ہر گرہ کھل گئی ہے۔ مسجد مسلمانوں کے ہر قومی اجتماع کا مرکز اور نماز اس مرکزی اجتماع کی ضروری رسم تھی۔ جس طرح آج ہر جملہ کا افتتاح اسکے نصب العین کے اعتبار و تعین کے لئے صدقاتی خطبات سے ہوتا ہے۔ اس طرح مسلمان جب زندہ تھے۔ ان کے ہر اجتماع کا افتتاح نماز سے ہوتا تھا۔ ان کی ہر چیز اسکے تابع اور اسی کے زیر نظر ہوتی تھی۔ ان کی نماز کا کھرہ ہی ان کا دارالامارہ تھا۔ وہی دارالشوریٰ تھا۔ وہی بیت المال تھا۔ وہی صیغہ جنگ کا دفتر تھا۔ وہ درگاہ اور وہی معبد تھا۔ جماعت کی ہر ترقی کی بنیاد افراد کے باہمی ربط و ارتباط پر ہے۔ اور جماعت کے فائدہ کے لئے افراد کا اپنے ہر آرام و عیش اور فائدہ کو قربان کر دینا اور اختلاف باہمی کو تہ کر کے صرف ایک مرکز پر جمع ہو کر جماعتی ہستی کی وحدت میں فنا ہو جانا اسکے حصول کی لازمی شرط ہے۔ اسی کی خاطر کسی ایک کو امام و قائد و سر لشکر مان کر اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کر لینا ضروری ہے۔ اسلام کی نماز اہی رموز و اسرار کا گنجینہ

ہے۔ یہ مسلمانوں کو نظم و جماعت، اطاعت پذیری و فرمانبرداری اور وحدت و قوت کا سبق دن میں پانچ بار سکھاتی ہے۔ اسی لیے اس کے بغیر مسلمان نہیں اور نہ اسکی کوئی اجتماعی وحدت ہے۔ نہ انقیاد امامت ہے نہ زندگی ہے۔ اور نہ زندگی کا نصب العین ہے۔ اسی بنا پر داعی اسلام علیہ السلام نے یہ فرمادیا۔ (العهد الذی بینا و بینکم الصلوٰۃ، فمن ترکھا فقد کفر۔ احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) ہمارے اور ان کے درمیان جو معاہدہ ہے۔ وہ نماز ہے۔ تو جس نے اسکو چھوڑا، اس نے کفر کا کام کیا۔ کہ نماز کو چھوڑ کر مسلمان صرف قالب بے جان، شراب بے نش اور گل بے رنگ و بو ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ اسلامی جماعت کا ایک ایک شعار اور ایک ایک امتیازی خصوصیت اس سے رخصت ہو جاتی ہے۔ اسی لیے نماز اسلام کا اولین شعار ہے۔ اور اسی کی زندگی سے اسلام کی زندگی ہے (سیرت النبی طبع دوم جلد پنجم ص ۱۹) سطور بالا پر ایک نظر غائر ڈالنے سے ملت اسلامیہ کی بقا و ترقی، تنزل و اضمحلال میں اقامت صلوٰۃ اور اصنامت نماز کی جو تاثیر ہے۔ وہ صاف ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور نص قرآنی اس پر شاہد عدل ہے۔ کہ نمازوں کی بربادی اقوام و ملل کی بربادی کا بڑا سبب ہے۔ (فخلف من بعدہم خلف اصنامہ الصلوٰۃ و اتبعوا الشہوات

فسوف یلقون غیا - مریم - ۴) مہر ان کے بعد (بعضے) ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا - اور (نفسانی ناجائز) خواہشات کی پیروی کی سو یہ لوگ (عنقریب) خرابی دیکھیں گے۔

تھیں ہاں تا مسجد صف کشیدند • گریبان شہنشاہیں کشیدند

چوں کہ آتش درون سینہ ان سرد • مسلماناں بدر گاہاں خریدند

ملت کے ٹھکے ہوئے قافلے کو اس کی اصلی منزل پر ڈالنے، مسلمانوں کے تن بے روح میں حیات اسلامی کا تازہ خون پیدا کرنے اور مدلوں کے ملی جمود کو توڑنے کا آسان ترین ذریعہ یہی ہے۔ مگر امت اسلامیہ جسکی اکثریت اسلام کے سب سے بڑے اس فریضہ کو بھلا کر اپنے کو تباہیوں اور بربادوں کے دامن میں پھینک چکی ہے۔ اسے مہر مساجد کی طرف لایا جائے۔ کہ مساجد کی تباہی اور نماز کی باقاعدہ ادائیگی سے ہی قوام ملت مزید اضمحلال سے بچ سکتا ہے۔ اور "معراج المومنین" کا تسک و اہتمام ہی ہماری گرتی ہوئی ملی عمارت کو سارا دے سکتا ہے۔ جس طرح قرن اول میں اسلامی دھند کی مسجد نبوی میں مہنت ہو کر عالم کی سیرابی کا باعث بنی تھی۔ آج بھی بیوتِ اسلامیہ کی طرف مسلمانوں کا عود ہی ان پر اسلامی زندگی کی راہیں کھول کر عالم کی

بیاض و کرمت بہ ایزم • کہیں ملت جہل دہلادوش است







# علم و ذکر

یہ عالم اور اس کی تمام کائنات ظاہری نظر میں ہمارے احوال کا کرشمہ ہے۔ جو کچھ ہمارے حواس سے ہیں معلوم ہوتا ہے اسی کو ہم اپنا عالم تصور کرتے ہیں۔ گویا ہماری دنیاوی زندگی کا سارا اسرار و بار اور تمام جمعیلا ہمارے حواس کی عطا کردہ معلومات پر استوار کیا جا رہا ہے۔ اگر ہم اپنے اعمال و افعال کی منطقی تحلیل کریں تو یہ ظاہر ہو جائے گا کہ ہمارا ہر عمل نتیجہ ہوتا ہے۔ ہمارے اس ذہنی انداز سے و تصور کا جو مستقبل کے متعلق ہماری عقل کرتی ہے۔ اور ہماری عقل کی دسترس انہیں اسباب و نتائج پر بنا کر وہ اندازوں تک ہے جو ہمارے حواس کی نظر میں آفرینش آدم سے رو پذیر ہوتے چلے آئے ہیں۔ گویا اس حیات فانی کا تمام مشغلہ من و متحین کی یہ خیالی قدیم اور ان کے اثرات ہیں جنہیں ہم اپنے حواس ظاہر سے جان رہے ہیں اور اسی علم کی بنا پر تمام عالم لادینی نظامات کا آماجگاہ بن رہا ہے۔ اور دنیاوی زندگی کی تمام کثافتیں اس علم کے برتے پھیل رہی ہیں

عقل کو تابع فرمان نظر کر نہ سکا عشق ناپید و خودے گزشت صورت مار

آج تک فیصلہ نفع و ضرر نہ کر سکا اپنی حکمت کے خم و یخ میں الجھا ایسا

زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا جس نے سوچ کی شاعروں کو گرفتار کیا

لیکن اس حیاتِ تنہا و تن کے سوا ایک اور زندگی بھی ہے جو ہماری شبِ تاریک کے لئے  
 نورِ ہماری درمیانگیوں کا علاج اور انسانیت کے زخموں کا مرہم ہے۔ وہ حیاتِ گواہ عالم سے  
 پرے اور موت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ لیکن یہ زندگی اس کا عکس اور اس یقین کا نتیجہ بن  
 کر برپا راحت و چین میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس زندگی کا علم ہمیں مخبر صادق، اعلم الناس  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان و جی ترجمان نے دیا ہے۔ اور جس طرح ہماری موجودہ زندگی حواس کی اس  
 واقفیت پر مبنی ہے جو انسانی تورات کے ذریعے ہیں پہنچی ہے۔ اور جس کے تواتر اور ہمہ گیر  
 ہونیکے وجہ سے ہم نے اس دہم کو حقیقت سمجھ لیا ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ  
 وثوق کے ساتھ آنے والی زندگی کے حقائق ہیں اس ذات والا صفات صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 ذریعے ملے ہیں جس کی سچائی میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس کی صداقت کی  
 وجہ سے اس کے دشمن بھی اس پر جھوٹ بولنے کا الزام نہ لگا سکے

فَاَنَّهُمْ لَا يَكْذِبُونَكَ وَلَكِنَّ

الظَّالِمِينَ يَأْتِي اللّٰهُ بِخُذُوْنٍ

(سورہ الاحقاف ص ۱۴) آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

آپ نے ہمیں ایک آنے والے عالم کی خبر دی کہ اللہ کا وہ فرستادہ دنیا و آخرت کے  
 اس سنگم پر تھا جہاں دنیا و آخرت اپنے تمام اسرار کو منکشف کیے ہوئے اس کے سامنے تھی جس  
 کی تشکیل اس امی آکا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پہلے پہاڑی کے وسط میں ملاپیش کی کہ جس طرح  
 کوہِ قاف کی دونوں طرف کی پستیوں کے حالات اسے صاف نظر آ رہے تھے۔ اسی طرح اس  
 فانی عالم اور باقی رہنے والی دنیا کے حالات اس کی نبوی نگاہوں کے سامنے پست تھے۔ چنانچہ

امام بخاریؒ نے روایت کی ہے کہ :-

لَمَّا نَزَلَتْ وَاذْ رَعِيبُ نَكَ  
الْاَقْرَبِينَ وَرَهْطُكُ مِنْهُمْ  
الْمُخْلِصِينَ خُورَجَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى  
صَعِدَ الصَّفَا فَهَتَفَ يَا صَبَاحَاهُ  
فَقَالُوا مَنْ هَذَا فَاجْتَمَعُوا إِلَيْهِ  
فَقَالَ اِرْأَيْتُمْ اِنْ اخْبَرْتُكُمْ اَنْ  
خَيْلًا تَخْرُجُ مِنْ صَفْحِ هَذَا  
لِجَبَلٍ اَكْتُمُ مَصْدَقِي قَالُوا  
مَا جَرِيتَ عَلَيْكَ كَذِبًا  
فَقَالَ اِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ مِنْ  
يَدِي عَذَابٍ شَدِيدٍ  
(صحیح بخاری ج ۳ صفحہ ۷۳ جلد دوم)  
کتاب زیرِ سورتِ تہمتِ یدہ  
کبات کیوں نہ مانیں گے، آپ نے فرمایا

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے قریب  
کے رشتہ داروں کو ڈرائیے اور ان میں  
جو مخلص گروہ ہے اسے بھی ڈرائیے تو  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور صفا  
کی پہاڑی پر پڑھ کر (عرب کے مدد  
چاہنے والوں کی طرح) پکارے، یا  
صباحاہ! لوگوں نے کہا یہ کون مدد  
کے لئے پکار رہا ہے اور آپ کے پاس  
جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا اگر میں یہ کہوں  
کہ ایک فرج میٹاڑی کے اس جانب سے  
تم پر حملہ آور ہوا جا رہا ہے تو کیا میرا کہنا  
باد کر دو گے۔ حاضرین نے کہا آپ نے  
کبھی جھوٹ نہیں بولا (اس لئے آپ  
کبات کیوں نہ مانیں گے، آپ نے فرمایا

میں ایک مسخفت عذاب سے پیشتر تھیں ڈرانے والا ہوں۔

یہی حیاتِ اخروی کی تیار دہائی تھی، عالمِ آخرت اور حیاتِ بعد الموت کی خبر تھی کہ اسلامی  
زندگی کی بنیادیں تمام تر عالمِ آخرت کے ایمان و یقین پر اٹھائی ہیں، کہ جب تک جزا و سزا کا یقین  
راسخ نہ ہوا اعمال کی اصلاح محال ہے، اس وجہ سے قرآن و حدیث کا صفحہ صفحہ عالمِ مادی کی  
پرہیزگشائی کرتے ہوئے اس پر ایمان کامل کی دعوت دے رہا ہے کہ اس پر ایمان لائے بغیر مسلمان  
ہونا نامکن اور ایمانی دائرے میں داخل ہونا محال ہے، کہ اس عالم میں جس طرح فہل کا کوئی

کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور ہوتا ہے۔ اسی طرح اسلام میں یہ تسلیم دیتا ہے کہ تمہارے دنیاوی عمل کا نقشہ تمہاری آنے والی زندگی پر ثبت ہو رہا ہے اور تمہارے ہر فعل کا اثر و سایہ ایک آنے والے عالم پر پڑ رہا ہے۔ جہاں تمہیں تمہارے ہر کام کا ثواب و عذاب جزا و سزا مل جائیگی۔ قرآن کریم ایک جگہ مختصر الفاظ میں اس حقیقت کو ظاہر فرما رہا ہے۔

يَوْمَ يُصِوْهُمُ الرَّبُّ النَّاسَ بِأَشْأَانِهِمْ  
لِيَرَوْا أَعْمَالَهُمْ فَنُفِثَ مَنْ  
مِنْهُمْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَىٰ  
مَنْ تَنَبَّلَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ  
شَرًّا يَرَىٰ

اس روزہ لوگ مختلف جماعتیں ہو کر  
(توقف حاب سے) واپس ہوں گے  
تاکہ اپنے اعمال (کے ثمرات) کو دیکھ  
لیں سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر  
نیکی کرے گا۔ وہ (وہاں) اس  
کو دیکھ لے گا۔ اور جو شخص ذرہ برابر  
بدی کرے گا۔ وہ اس کو دیکھ لے گا۔

(الزلزال — ۱)

خدا اُسے عزوجل کے آخری فرستادہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے  
اعمال کی ترغیب و ترہیب کے ضمن میں ان اعمال کے فضائل اور ان سے متعلق وعیدوں پر گفتگو  
فرمائی ہے یہاں تک کہ ایک ایک دنیاوی عمل کی اخروی حقیقت کلیتہً آجا کر ہو گئی ہے۔ احزاب ہر  
شخص کتب و سنت سے معلوم کر سکتا ہے کہ فلاں کام کی اخروی جزا و سزا کیا ہو گئی۔ یا اس کے  
اس عمل کا آخرت کی زندگی پر کیا اثر پڑے گا۔ اور جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحبؒ  
نے فرمایا ہے :-

وہ خدائے تعالیٰ کی اپنے بندوں پر یہ بڑی نعمت ہے کہ اس نے وحی کے ذریعے  
سے انبیاء علیہم السلام کو اعمال پر مرتب ہونے والے ثواب و عذاب کو بتلے دیا، تاکہ  
وہ لوگوں کو اس سے آگاہ کر دیں۔ اور لوگوں کے قلوب اس ثواب و عذاب کو  
سن کر بیم ورجا سے ملو ہو جائیں اور اپنے ذاتی مقصد و اولاد سے لوگ ان

شرائع کی پابندی کریں جیسے اور باقی امور میں خوف و امید کیا کرتے ہیں ۔  
جن سے کوئی ضرر و دہرہ ہو جاتا ہے یا ان سے کوئی نفع حاصل ہو جاتا ہے ۔

(حجۃ اللہ العالیہ جلد اول باب اسرار التزیینات)

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعمال کو اللہ کا حکم اس کی رضا کا ذریعہ اور ایمان کی تکمیل کا سبب سمجھتے ہوئے (ایماناً) اور اس پر موجود اجر و ثواب کے ملنے کا کامل یقین و دھیان رکھتے ہوئے (احتساباً) کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حدیث کی کتابوں میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا :-

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَ  
احتساباً غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ  
مِنْ ذَنْبِهِ  
جس نے رمضان کا قیام اللہ پر اور  
اس کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے  
اور اجر و ثواب کے شوق میں کیا اللہ اس

کے سب پچھلے گناہ معاف کر دے گا۔  
(بخاری باب طہوع قیام رمضان من الامان)

دوسری حدیث ہے ۔

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَ  
احتساباً غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ  
مِنْ ذَنْبِهِ  
جس نے رمضان کے روزے ایمانی  
خصلت اور اجر و ثواب کی نیت سے  
رکھے اللہ اس کے سب پچھلے گناہ معاف کر

دے گا۔

(بخاری باب صوم رمضان احتساباً من الامان)

ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے

مَنْ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ يَأْتِيهَا  
وَاحتساباً وَكَانَ مَعَهُ حَتَّى يَصِلَ  
عَلَيْهَا وَيُغِيرَ مِنْ دَفْنِهَا  
فَإِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْأَجْرِ قَوْلًا  
جو مسلمان کے جنازے کے ساتھ آیا  
واحتساباً گیا۔ اور اس کے ساتھ اس  
پر نماز جنازہ پڑھنے اور اس کے دفن  
سے فارغ ہونے تک رہا وہ اس کے بہار

کل قیرا ط مثل احد ۶۰ کے برابر بڑے دقیقہ رطوں کا اہم کر

بخاری باب اتباع الجنائس ایمان واپس آئے گا

ابو سعید انصاریؓ سے آپ نے فرمایا :-

اذا انفق المسلم نفقة

على اهله وهو محتسبها كانت

له صدقة - وہ بھی صدقہ ہے -

(بخاری کتاب النفقات ص ۸۵)

ایمان و احتساب کی کیفیت مسلمان کے ہر عمل پر طاری ہونی چاہیے اور اس کی نگاہ ہر وقت آخرت کی زندگی پر جمی رہنی چاہیے کہ اسے وہاں اس کام کا کیا اجر و ثواب ملے گا اور اس اجر و ثواب کو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا نتیجہ اور ثمرہ سمجھنا چاہیے۔ کہ میرے پروردگار مجھ سے راضی ہو کر اپنی منایات سے مجھے نوازیں گے۔ کیونکہ ہر عمل کی اہمی روح اس عمل کا خاص ذات الہی کے لئے کرنا ہے۔ اور اس پر اجر و ثواب مرتب ہوتا ہے۔ وہ بھی اسی الہی تعلق کی کمی بیشی کے مطابق ہوتا ہے۔ کہ اعمال کی اصل عظمت اور اہم الہی کی پیروی و امتثال ہے۔ غرض اسلامی زندگی کا ہر عمل امر الہی کی عظمت سے متاثر اور اخروی زندگی کے نتائج کا حامل ہوتا ہے اور مسلمان ہر عمل اس تصور کو سامنے رکھ کر کرتا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور اس کا نتیجہ اخروی زندگی میں مجھے ملے گا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کے امر و نہی کے وقت ایمان باللہ و ایوم الآخر کی یاد دہانی کر دیا کرتے تھے۔ مثلاً آپ نے فرمایا :-

لا یحل لامرأة تؤمن بالله

والیوم الآخر ان تلجأ الى رجل من

میت فوق ثلاث الا علی

کسی عورت کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائی ہو سوا اپنے خاوند کے تین روز سے زیادہ

زوج ابلۃ اشعر و عشراً سوگ جاڑ نہیں، خاوند پر چار ماہ

(بخاری باب تبیس احادیثیاب العصب) دس دن تے سوگ ہے

کہ جب ایمان بالہشک کی غیبت مسلمان کے قلب میں رسوخ کرتی ہیں اور جب اعمال کے نتائج کا سالِ یوم آخرت کے درمیان سے متحمل ہو کر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے، تو امر الہی پر عمل پسند ہوئے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

اور علم کی حقیقت بھی یہی ہے کہ جب اندرونِ قلب پر فیضانِ الہی ہوتا ہے تو ایمان قلب میں رچ جاتا ہے اور نبوت کا ہر قولِ نبویؐ کی گہری دلیل کے حقیقت بن کر نبوی زندگی کی راہیں بندہ عوام پر کشادہ کر دیتا ہے اور رسوخ فی اہل سے مراد بھی قلب میں یقین کا اس طرح پرست ہو جانا ہے کہ نبوت کا ہر قولِ عربی حقیقت معلوم ہونے لگے۔ گویا علم ایک نور ہے جو انسانی قلوب پر بارگاہِ خداوندی سے ڈالا جاتا ہے۔ اور جس کی روشنی سے قرآن و سنت کی حقیقتیں منکشف ہو کر انسان کو کلامی زندگی پر عمل پیرا کر دیتی ہیں۔ اور بہت ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں بھی امانت سے مراد توحید کے علاوہ یہی علم و نور ہو۔ (وللہ اعلم)

ان الامانة فقلت فی جذر امانت لوگوں کے قلوب کی جڑ میں

قلوب الرجال ثم علموا من اتاری صحتی۔ پھر انہوں نے قرآن

القرآن ثم علموا من السنة۔ کے علم کو مانا پھر سنت کو جان۔

(بخاری باب اذا تجسس فی جنازة من الناس)

(جلد دوم)

کہ قرآن و سنت کا علم محض پھنپاڑھا نہیں۔ بلکہ ایک نور ہے۔ جو شکیہ نبوت کے ذریعے صادر کیا گیا۔ اور جس کی اصل الہی فیضان ہے۔

جیسا کہ امام مالکؒ کا قول ہے۔

ليس العلم بكثرة الرواية کثرتِ روایات کا نام علم نہیں ہے۔ بلکہ

وانما العلم نور يضيءه      وہ ایک نور ہے جو اللہ کی طرف  
 اللہ في قلوب الرجال      سے لوگوں کے قلوب میں ڈالا

جاتا ہے۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب  
 گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کثاف

قلوب میں جب یہ نور ڈالا جاتا ہے تو علم کی عظمت قلوب پر طاری ہو جاتی ہے۔  
 اور وہ متغایر ہو جاتے ہیں ان میں خشیت و خضوع کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جوں جوں یہ نور  
 بڑھتا جاتا ہے خشیت الہی بڑھتی جاتی ہے کہ اے علم کی حقیقی نسبت اللہ عزوجل کی ذاتِ عالی سے  
 ہے۔ اور اس نسبت کی وجہ سے وہ اس جلال و عظمت کا حامل ہے جو پہاڑوں کا پتا  
 پانی اور چٹانوں کی سختی کو سرسبز بنا دے۔

لو انزلنا هذ القرآن على جبلٍ      اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ  
 لورایت خاشعاً متصدعاً      پر نازل کرتے تو (اے مخاطب) تو اس  
 من خشية الله      کو دیکھا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور  
 (الحشر - ۳)      پھٹ جاتا۔

(ترجمہ امم تھانویؒ)

اور یہی وجہ ہے کہ عظمت الہی کے دیرینہ رازداروں (فشتوں) پر جب (ملاء  
 اعلیٰ میں) امر الہی کا وقوع دہی انہی کے تکلم سے ہوتا ہے تو اس کی ہیبت و عظمت سے ان  
 کے قلوب پر دھڑکت چھا جاتی ہے۔ اور ڈبکتے ہیں۔ جب کچھ دیر بعد ان کے قلوب سے یہ حالت  
 دور ہوتی ہے تو آپس میں کہتے ہیں۔ تمہارے رب نے کیا کہا؛ کہتے ہیں حق کہا؛ اور وہی  
 علی اور کبیر ہے۔ اس کا ذکر قرآن مجیم نے اس آیت میں کیا ہے۔

حتى اذا فرغ عن قلوبهم      حال نبوت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب علم



قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقُّ  
وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ .

بخاری صفحہ ۸۰ . جلد دوم کتاب التفسیر  
باب قوله فرع من قوله ثم

( فاذا هو محمول الوجه لفظ )

( بخاری صفحہ ۲۵۷ - جلد دوم و

صفحہ ۶۲۰ . جلد دوم باب نزول القرآن

من صفوان بن علی

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ :-

ولقد رأيت ينزل عليه الرحمة

في اليوم الشديد البرد فيقسم

عنه وان جبينه ليغصد

عرقا - ( صحیح بخاری باب کین

کان بدرا لوی صفحہ ۲۰ جلد اول )

اور ادا امر الہیہ کے علم کی یہی ہیبت تھی جس کی تاب نہ لاکر پہاڑوں، آسمانوں اور  
زمین نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا، کہ ادا امر الہی کے ظہور و علم کی امانت کا تحمل ہونا  
ان کے لئے ممکن نہ تھا۔

( فاعلمنا الا ما نرى على

السموات والارض والحيال

قابين ان يحملنها واشفق

منها وحملها الانسان

ہر جب فیضانِ علم الہی کا فیضانِ وحی کی صحت

میں ہوتا تھا تو نواز شدت سے چہرہ مبارک رخ

ہو جاتا اور سانس کا آواز تیز ہو جاتی .

اور یہ حالت کچھ دیر بعد تک رہتی تھی .

میں نے سخت سردی کے دن آپ پر

وحی کو اترتے ہوئے دیکھا تھا کہ وحی

کا نزول بند ہوا اور ( شدت ) وحی سے

جبین مبارک سے پسینہ بہہ رہا تھا .

ہم نے یہ امانت ( یعنی احکام جو بہ منزلہ

امانت کے ہیں ) آسمان و زمین اور

پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی، سوائے انہیں

نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا

انہ کان ظلو ما جھولا ۛ اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس  
(الاحزاب - ۹) کو اپنے ذمے لیا۔ وہ ظالم ہے جاہل

ہے۔  
علم الہی کی یہی عظمت تھی جس کا قرآن کی وحدت میں نزول انسان کے بدن کو عاجزی و ہیبت کی

وجہ ہے

چنانچہ قرآن نے کوہی دی۔

اللہ نزل احسن الحديث كتبنا  
اللہ تعالیٰ نے اپنا عمدہ کلام نازل  
متشابها متانی تشعشعاً  
فویلا ہے جو یہ کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی  
جاود الذین یخشون ربہم ثم  
ہے بار بار وہراں لکھی ہے جس سے  
تلیں جلودہم وقلوبہم  
ان لوگوں کے جو اپنے رب سے ڈرتے  
الی ذکر اللہ .  
ہیں، بدن کا نہپ اٹھتے ہیں، پھر ان کے

(النور - ۳) بدن اور دل نرم (اور متکا) ہو کر اللہ

کے ذکر (یعنی کتاب اللہ پر عمل کرنے) کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں :

حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ سلف (یعنی صحابہ و تابعین) میں سے تلاوت قرآن کے وقت  
نہ کسی پر بیہوشی طاری ہوتی تھی، اور نہ کوئی چپٹا تھا، صرف ردیا کرتے تھے۔ اور ان کے بدن پر رونگٹا  
کھڑ ہو جاتا تھا۔ ان کے پوست اور قلوب نرم ہو کر خدا کی یاد کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔

(یعنی اکثر حالت ہوتی تھی) - (رواہ ترمذی تیسرے حصہ ۸۶ منقول از حقیقت

الطریقتہ امام تھانوی ص ۲)

صحابہؓ کی یہی حالت تھی کہ قرآن کی ہیبت ان پر چھائی رہتی تھی، چنانچہ حضرت  
جبریلؑ مطہمؓ کہتے ہیں۔

سمعت ابی بنی صلی اللہ علیہ وسلم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

بقیہ فی الغرب بالطور فلما بلغ  
 هذه الآية ام خلقوا من غیر شیء  
 امرهم الخ لقول امر خلق السموات  
 والارض بل لا یوقنون (۱) ہر  
 عندہم خزائن ربک (۲) ہر  
 هم المصیطرون کاد قلبی بظہیر  
 بخاری ص ۲۴ کتاب التفسیر (۳)  
 کے خزانے ہیں۔ یا یہ لوگ (اس کے حکم نہوت کے) تو میرا دل اٹھنے

لگا  
 گویا حضرت جبرائیل مطہرؑ پر ان آیات کی اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ ان کا دل خوف کی  
 وجہ سے اڑنے لگا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک دن اونٹ پر سوار کسی گلی میں سے گذر رہے تھے کہ  
 کسی گوشے سے اس آیت کے پڑھنے کی آواز آئی۔  
 اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَہُ  
 مِنْ دَافِعٍ۔  
 بے شک آپ کے رب کا عذاب ہو کر  
 رہے گا جو اس کو مٹا نہیں سکتا

(سورہ طہ - ۱)

اس آواز کا سننا تھا کہ ہوش اُڑ گئے اور بیہوش ہو کر اونٹ سے گر پڑے اور مدت تک گرنے  
 کی تکلیف سے بیمار رہے (مکتوبات امام ربانی سرسندیؒ مکتوب ص ۳۱)  
 عبد اللہ ابن شداد کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے پیچھے آخری صف میں نماز پڑھ رہا تھا  
 اور اس جگہ حضرت عمرؓ کی شدتِ گریہ کی آواز آرہی تھی۔ اس وقت آپ یہ آیت پڑھ  
 رہے تھے۔

اوامر الہی کی عظمت تھی۔ جس کے بیوت سے صحابہ کے رنگ اڑ جایا کرتے تھے۔ حیدر کوثرؑ کا نماز کے وقت چہرہ زرد پڑ جاتا تھا اور فرماتے تھے کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آگیا جس تکمل آسمان اور زمین اور پھاٹک نہ کر سکے اور اس سے ڈر گئے۔ مگر انسان نے اسے اٹھالیا۔ اب میں نہیں جانتا کہ میں اس امانت کو اچھی طرح ادا کر سکوں رکراوامر الہیہ کی امانت میں اہم ترین نماز ہے۔

(اسوہ صحابہ ص ۲۸۶ ج ۲ بحوالہ کتاب الموع ۱۴۲، نیز

یکھیاے سعادت واحیاء العلوم امام غزالیؒ)

علم الہی کا جو بخیرہ صحابہؓ کو اوامر الہی کی صورت میں قرآن و حدیث نبویؐ ص نے دیا تھا اس کی یہی عظمت تھی جس نے انہیں سراپا عمل بنادیا تھا وہ جانتے تھے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ دنیاوی کامرانی اور آخروی نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ صحبت نبویؐ کے اثر سے ان کا علم یقین کی اس منزل تک جا پہنچا تھا کہ غائب ان کے لئے حاضر اور مستقبل حال بن چکا تھا۔ وہ ان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نبوی علم سے بھی حقائق کی پردہ کشائی فرمائی تھی ان پر ان کا یقین اس قدر تھا کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن مالکؓ سے پوچھا کیا حال ہے۔ بولے خدا پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے۔ بولے دنیا سے میرا دل پھر گیا ہے اس لئے رات کو جاگتا ہوں دن کو بے پروا کیا سا رہتا ہوں۔ گویا خدا کا عرش مجھے علانیہ نظر آتا ہے۔ گویا میں الٰہی جنت کو باہم ملتے ملتے دیکھ رہا ہوں اور گویا اہل دوزخ مجھے چیتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے حقیقت کو پایا۔ اب اس پر قائم رہو۔

(اسوہ صحابہ ص ۱۷۱ حوالہ اول۔ بحوالہ

اسد الغابہ تذکرہ حارث ابن مالک)

شاید علم کی یہی حقیقت تھی جس کے متعلق ابن مسعودؓ کا قول ہے۔

(اِنَّمَا اَشْكُوْ بَيْتِيْ وَهٰذَا اِلَى اللّٰهِ اِسْحٰ)

(بخاری تعلیقاً باب اذا بکی الامام فی الصلوة)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بڑے گریہ نزاری کرنے والے شخص تھے خصوصاً جب کہ آپ تلاوت قرآن کرتے تو گریہ ضبط نہ کر سکتے۔

(ازالۃ الحجب بخاری)

علم الہی در قرآن و حدیث کی یہی عظمت تھی جو قرن اول کے ایک ایک فرد پر چٹائی ہوئی تھی۔ وہاں رسالت سے حکم الہی کا جو نہی صمد و رتو تھا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس حکم کو پوری عظمت کے ساتھ قبول کرتے ہوئے اس کے پابند ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب انہیں کسی شوق ذریعہ سے اس چیز کا علم ہو جاتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فعل کو کیا ہے یا کسی چیز کا امر فرمایا ہے تو بے چون و چرا فوراً اسی پر عمل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ تو براہین عائدہ صحابی سے روایت ہے کہ حضورؐ نے پہلی عصر کی نماز خانہ کعبہ کی طرف پڑھی۔ آپ کے ساتھ ایک شخص نماز پڑھ کر نکلے اور ان کا گند ایک دروسدی مسجد پر پڑا وہاں نماز پوری تھی۔ (نہیں ابھی تحویل قبلہ کا علم نہیں ہوا تھا۔ اس لئے وہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھ رہے تھے۔ اور رکوع کی حالت میں تھے جو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر آئے تھے۔ انہوں نے یہ حالت دیکھ کر کہا۔

اشھد باللہ لقد صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل مکة  
میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف نماز پڑھی ہے۔

اس مسجد کے نازیوں کو جو نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کا علم ہوا۔

فدادوا کما ہمد قبل (البیت)

(صحیح بخاری کتاب التفسیر ص ۲۷)

جس حالت میں تھے اسی حالت میں خانہ کعبہ کی طرف پھر گئے۔

اسی طرح جب حیرت شراب کا حکم آیا اور یہ آیت نازل ہوئی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ  
وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْ  
لَامُ وَخَيْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ  
فَاجْتَنِبُوا كَلًّا كَذَلِكُمْ تَقْلَقُونَ

اے ایمان والو! شراب اور جوڑا اور  
چڑھاوے کے بت اور پانے گندے  
کام ہیں۔ شیطان کے سوا ان سے  
بچتے رہو، شاید تمہارا بھلا ہو۔

(مائدہ - ۱۲)

تو بعض صحابہ نے چلا کر کہا۔ خلعو نذا! ہم باز آگئے۔

(سیرت ابنی ۵۷ جلد دوم بحوالہ ابو داؤد کتاب الاشرار)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابو عبیدہ ابن الجراح و ابو طلحہ اور ابی  
ابن کعب کو کعبہ کی طرف پلوتا تھا کہ ایک آنے والے نے کہا کہ شراب حرام ہو گئی۔ یہ سن کر ابو طلحہ  
نے کہا۔ انس اٹھو۔ اور شراب کو گرا دو۔ حضرت انس کہتے ہیں۔ پس میں نے شراب بہادی۔

(صحیح بخاری باب نزل تخمیر الخمر)

اندازہ کیجئے کہ صحابہؓ پر اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی کس قدر عظمت  
چھائی ہوئی تھی۔ کہ شراب کا دور چل رہا ہے۔ مجلس جمی ہوئی ہے کہ ایک آدمی اتنا کہہ دیتا ہے  
کہ شراب حرام ہو گئی۔ اسی وقت مراجم و جام توڑ دیئے جاتے ہیں۔ بادۂ ناب کے خم زمین پر  
بہاؤے جاتے ہیں اور اس مدینہ کا یہ حال ہوتا ہے کہ ہر طرف گلیوں میں شراب کے خم ہٹے  
جا رہے تھے اور شراب پانی کی طرح زمین پر بہہ رہی تھی۔

(سیرت ابنی ۵۷ ج ۲ بحوالہ بخاری)

اللہ اللہ! امر الہی کی کس قدر عظمت تھی کہ علم کے آتے ہی سراپا اٹھتے۔

الایمان الیقین کلمہ ایمان یقین کامل کا نام ہے۔

(صحیح بخاری ص ۶۔ ج ۱)

کہ علم جب قلوب میں رسوخ پاتا ہے۔ تو یقین کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ علم و یقین جب قلب و ذہن میں خوب پختہ ہو جاتا ہے تو عین یقین کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو علم کی غایت قصویٰ ہے۔

یقین ہی کی کرشمہ سازیاں تھیں کہ وہ ان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلے ہوئے ہر کلمہ کو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک ہونی حقیقت اور انٹ فیصلہ سمجھا۔ اور حضور علیہ السلام کے ہر قول پر سر تسلیم خم کر دیا یہی یقین ہے جس سے ایمان کی تمام شاخیں پھوٹی ہیں اور خوف ورجاء کی جو کیفیتیں صحابہ رضی اللہ عنہم پر طاری ہوتی تھیں۔ اسی کا نتیجہ تھیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن ایک پرندے کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ فرماتے لگے کہ کاش میں بھی تیری طرح پرندہ ہوتا۔ کہ تو جہاں چاہتا ہے اڑتا پھرتا ہے ورنہ توں پر بیٹھا ہے پھل کھاتا ہے اور تجھ پر کوئی حباب نہیں۔

(ازالۃ الخفاشہ ولی اللہ صاحب)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسا اوقات ایک تنکا ہاتھ میں لیتے اور فرماتے کاش میں یہ تنکا ہوتا۔ کبھی فرماتے کاش میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا (کہ میں حساب قیامت سے بچ جاتا)۔

یقین کی یہی کیفیتیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھیں۔ انہیں یہ یقین کامل تھا کہ جو سزا و جزا کسی عمل کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی ہے۔ وہ مل کر رہے گی۔ اس جذبہ و یقین نے انہیں بے قرار کر دیا تھا۔ کہ اوامر پر عمل کریں اور منکرات سے بچیں اور اسی یقین کی وجہ سے ان کے اعمال پر ایمان و اعتقاد کی روح طاری ہوتی تھی۔ کہ ان اعمال کا رضاء الہی کے نتیجے میں جو اجر و ثواب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ ضرور مل کر رہے گا۔ اس حقیقت نے اعمال خیر پر انہیں  
حرمین اور اعمال شر سے مجتنب کر دیا تھا کہ یہ حقیقت ہے کہ انسان کو اگر کسی چیز کا فائدہ معلوم  
نہ ہو تو وہ اس کی طرف اتنی توجہ نہیں کرے گا جتنا کہ اس کی قدر و قیمت کے معلوم ہونے  
کے بعد اس کا اس میں انہماک ہو گا۔

یہی ایمان و احتساب کی حقیقت ہے۔ جو تمام تخریب و فضاہل اور تربیب کی احادیث  
پر چٹائی ہوئی ہے۔ انسان کے اس دنیا میں اس قدر انہماک بڑا سبب بھی یہی ہے۔ کہ وہ  
اس ذلیل دنیا کی ظاہری زینب و زینت کی وجہ سے اسے قیمتی سمجھتا ہے۔ کہ اس بے وقوف  
عالم کی وقت جب ظاہری شوکت کی وجہ سے قلوب پر چٹائی ہے۔ تو یہی دنیا مبلغ علم اور  
غایت رفعت بنجاتی ہے۔ لیکن جب اس کے مقابلے میں اخروی زندگی کی حقیقی قدر و  
قیمت والی چیزوں کے قیمت ایمانی روشنی سے دلوں پر منکشف ہوتی ہے۔ تو یہ دنیا ذلیل  
ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور انسان اپنی پوری قوتوں کو ان وقیع اور قیمتی چیزوں کے حصول کے  
لئے متوجہ کرنے لگتا ہے۔ جس کا نتیجہ ابدی کامیابی و نجات ہے۔

امام بیہقیؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔  
فَمَنْ يَرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ

لَا سَلَامَ ۝

اللہ جس شخص کو ہدایت دینا چاہتا ہے۔ اس کا سینہ اسلام کے

لئے کشادہ کر دیتا ہے۔

اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نوہ (ایمان) جب قلب میں داخل ہوتا ہے۔  
تو وہ کشادہ ہو جاتا ہے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کوئی علامت  
اور نشانی بھی ہے۔ فرمایا۔ (ہاں) اس دھوکے کے گھر (دنیا) سے (دل کی) علیحدگی



اور دارالخود کی طرف توجہ اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لئے تیاری۔

(مشکوٰۃ شریف)

عقلمندی کی باقی رہنے والی اور قیمتی چیزوں کی یہی قدر و منزلت اور دنیاوی فانی چیزوں کی بے قدری پیدا کرنا نبوی طریقہ و تعلیم کا ہدایت کا ایک اہم حصہ ہے۔ کہ جب یقین کسی چیز کے فائدہ مند ہونے کا ذوق پیدا کر دے تو اس کے حصول کے لئے توجہ و تڑپ یقیناً زیادہ ہوگی۔ اور اس طرح ذہنی اور نفسیاتی طور پر عمل کی راہیں انسان پر آسان ہو جائیں گی کہ علم کا مقصد ہی عمل ہے۔ اور عمل کے بغیر علم ظلمتِ جہل ہے۔ جس کی حقیقت سراب سے بڑھ کر نہیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے علم سے پناہ مانگی ہے جس کا فائدہ نہ ہو۔

(عوذ بک من علم لا ینفع)

(ابن ماجہ ص ۲۷)

سعدی بنوئے نقشِ دوئی راز لوحِ دل

علمی کہ رہتی نہ نماید جہالت است

صحابہؓ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم (جو عین علم ہے) کی جب دس آیتیں پڑھ لیتے تھے تو اس وقت تک آگے قدم نہیں بڑھاتے تھے۔ جب تک کہ اس پر عمل پیرا نہ ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعبؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم کو دس آیتیں پڑھاتے تھے تو اس وقت تک ہم آگے نہ بڑھتے تھے۔ جب تک ان پر عمل نہ سیکھ لیتے تھے۔

(رسالہ مکارم ص ۵۳ بحوالہ تفسیر قرطبی ص ۳)

(جلد دوم)

ابن عباسؓ کی ایک اور روایت ہے کہ جب ہم میں سے کوئی شخص دس آیتیں

سیکھ لیتا تھا تو اس وقت تک آگے نہ بڑھتا تھا جب تک کہ ان کے منہ اور ان پر عمل نہ  
سیکھ لیتا تھا ۔

(معارف ایضاً بحوالہ تفسیر ابن جریر ص ۲۹ ج ۱)

غرض دین میں مطلوب وہی علم ہے جو ہم پڑھنے کی راہیں کشادہ کر سکے کہ کسی چیز  
کے جاننے کا مطلب صرف جانا ہی نہیں ہوتا بلکہ کسی بلند مقصد کی جستجو کے لئے کسی  
چیز کو جانا جاتا ہے۔ اسی طرح علم کی حقیقت ایک نور یا چراغ کی جیسے جس سے راستہ  
کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ کہ سیدھا راستہ کونسا ہے اور راہِ خمپر کونسی ہے۔ عاقل  
وہی ہے جو اس نور کی روشنی میں صراطِ مستقیم پر چلنا شروع کر دے جو یہی منزل  
مقصود تک پہنچتی ہے اور اس شخص سے بڑھ کر کوئی جاہل نہیں جو اس سبب و آرام  
کے راستہ کو چھوڑ کر جاننے کے بعد ایسی راہ ضلالت پر ہو لے جس کا انجام قصیر  
ہلاکت ہے۔ (نحوذ باللہ منہ)

جب میلووم ہو چکا کہ علم کا مقصود اصلی عمل ہے۔ اور عمل کے لئے  
لازم نہیں کہ کتابی تعلیم ہی دی جائے۔ بلکہ اگر زبانی تعلیم ہی عملی صلاح کا دروازہ ہم پر  
کھول دے تو علم کا مقصد حاصل ہو گیا چنانچہ قرونِ اولیٰ میں کتابی تعلیم پر اتنا زور  
نہیں دیا جاتا تھا۔ جتنا علم کی حقیقت اور اس کی تاثیر و نتیجہ خیمہ سندی پر دھیان  
کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ارشاداتِ نبویؐ کا گواہِ ٹھہر تحریر میں آچکا تھا تاہم  
متداول طریقہ زبانی تعلیم و تعلم کا تھا۔ کہ جو باتیں انسان زبانی یاد کرتا ہے۔ وہ محفوظ  
ہمارست سے قلب میں پورست ہو جاتی ہیں اور عمل کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں جب  
کہ کتاب پر ان کا بھروسہ اسے ایسا کرنے سے باز رکھتا ہے اور لبا اوقات یہ کتابی  
نقوش یا پس، علمی جوہر کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ایسی امت کے  
لئے جس کے ہر فرد پر علم کا حصول فرض کر دیا گیا ہو۔ نوشت و خواندگی سہولتیں بہم

پہونچائی بھی ایک حد تک مشکل ہیں۔ اس لئے ایسی حالت میں بجائے کرم کتابی بنانے کے زبانی تعلیم و تعلم ہی بہتر ہے۔

اعلم الناس نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص صفت تعلیم بھی تھی۔ لیکن جیسا کہ اس آیت

سے ظاہر ہے۔

هُوَ الَّذِي نَحْنُ فِي الْاُمَمِينَ رُسُوْلًا  
مِنْهُمْ نَسُوْلُهُمْ عَلَيْهِمُ الْاٰيَةُ  
وَيُنْزِلُ فِيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ  
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ .  
(المجموعہ - ۱)

وہی ہے جس نے عرب کے انخواندہ لوگوں  
میں ان ہی کی قوم میں سے (یعنی عربوں  
سے) ایک پیغمبر بھیجا۔ جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ  
کراتے ہیں۔ اور ان کو معاملہ باطلہ و حلال و حرام  
سے پاک کرتے ہیں۔ اور ان کو کتاب اور

دانشمندی (کی باتیں) کی تعلیم دیتے ہیں۔

یہ بات روشنی کی طرح عیاں ہے کہ جس طرح سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمی ہونا فخر تھا  
اسی طرح اپنے عرب کے "امیوں" کو بھی کتابی نوشت و خواند سے تعلیم نہیں دی۔ بلکہ زبانی تعلیم  
کا وہ طریقہ ہدایت رائج فرمایا، جس نے تمام عالم کو علم کی روشنی سے نور کر دیا۔ صحابہ رضہ جو کچھ آپ  
سے قولاً و عملاً سیکھتے تھے۔ اسے یاد کرتے تھے اور اس کے مطابق اپنے اعمال کو ڈھال کر دوسروں  
کو یہ علمی روشنی پہنچاتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ باہم مذکورہ و تکرار سے علم بڑھتا تھا۔ عمل  
پختہ ہوتا تھا۔ اور اس کی نورانیت پھیلتی جاتی تھی۔ اس دور میں کتابی دودھ کی حیثیت مددگار و  
مساعدن کی سی تھی۔ جو علم و عمل کی عملی درگاہوں میں بوقت ضرورت کام آتا تھا۔ لیکن جو  
جو زمانہ رسالت سے بعد ہوتا گیا۔ کتابیں بڑھتی گئیں۔ زبانی تعلیم و تعلم، علمی رشد و ہدایت  
اور تاثیر و تاثر کم ہوتا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عالم کا وہ فیضان جو بالمشافہ اخذ و طلب سے حاصل  
ہوتا تھا۔ اور اس کی وہ پہلی سی افادیت باقی نہ رہی۔

امام اندلسی کا قول ہے۔

کان هذ العلم شيئاً شريفاً  
 اذا كان من افواه الرجال  
 يتلاقون ويتذاكرون فلما  
 صار في الكتب ذهب نوره و  
 صار الى غير اهله  
 ( تدوين حدیث مولانا مناظر احسن گیلانی  
 بجلالہ جامع بیان العلم ص ۹۸ ج ۱ )  
 حدیث کا علم بہت ہی قیمتی اور شریف اس  
 وقت تھا جب لوگوں کے منہ سے حاصل  
 کیا جاتا تھا۔ لوگ اسے ایک دوسرے سے  
 مل کر لیتے اور آپس میں مذاکرہ کرتے رہتے  
 تھے۔ لیکن جب سے حدیثیں کتابوں  
 میں درج ہو گئیں اس کا نور اور اس کی  
 رونق جاتی رہی۔ اور ایسے لوگوں میں پہنچ  
 گیا جو اس کے اہل نہیں ہیں۔

متقدمین کی علم کے لئے کاوش و جستجو اور ایک ایک حدیث کی تلاش میں صد مائیل کا سفر  
 اس چیز پر دلالت کرتا ہے۔ کہ انہیں علم کے حصول کا کس قدر شوق تھا۔ اور جب ان صورتوں کے  
 بعد انہیں علم کا کوئی حصہ ملتا آتا تھا۔ تو اس کو ہرز جان بناتے تھے بخود اس پر عمل پیرا ہوتے تھے  
 اور دوسروں تک یہ دولت پہنچاتے تھے۔ لیکن جوں جوں کتابی علم عام ہوتا گیا۔ کہ کب کتابی نور  
 گئے۔ لیکن جو ہر علم کے متلاشی کم ہوتے گئے۔ کم طلب اور کم کوشش نا اہلوں تک علم کتابی جا  
 پہونچا۔ تو منور و پرمیت کو ہی قنات کر بیٹھے۔ رفتہ رفتہ کتابیں پڑھ لینا ہی علم ٹھہرا۔ علم کی روح  
 نصرت ہو گئی علم کا مقصد بجلادیا گیا۔ علم کا مغز الفاظ کی دستوں میں پنہاں ہو گیا۔ اور اس  
 کے نتائج مفقود ہو گئے۔ ابندہ میں علم جن معنوں کا جامع تھا۔ ان کی حقیقت کتابوں کے  
 صفحات میں کم ہو کر رہ گئی۔ علم جو جتنا بڑھتا تھا خشیت بڑھتی تھی (جیسا کہ حدیث میں ہے  
 انالعلم کم باللہ واخشا کم اللہ) اب اندرونی کیفیتوں کے فقدان کی وجہ سے  
 حجاب بن کر رہ گیا۔ یہاں تک کہ صوفیا کو کہنا پڑا۔  
 العلم حجاب اکبر

ایں دفتر بے معنی غرق نے ناب اولیٰ

وہی علم جس کا ایک ذرہ قلب انسانی کو چھو تک دیا کرتا تھا۔ مدارس و مجالس کی گرم گفتاری کا ذریعہ بن کر رہ گیا۔

عشق کی تیغ جگر وار اڑالی کس نے

علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اسے ساتی

آج ان تمام تلخ حقیقتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں مسلمانوں میں علم کا انہی کیفیتوں اور مسائل کے ساتھ احیا کرنا ہے۔ جو قرن اول میں عل کا ذریعہ بنی تھیں۔ کہ علم کے بغیر عمل ناممکن ہے۔ بلکہ لفظ علم کی اسلامی حقیقت اپنے اندر علم و عمل دونوں کو سمائے ہوئے ہے اور دور اول میں علمی کیفیات اور کارکردگیوں پر بھی لفظ علم کا اطلاق کیا جاتا تھا۔

چنانچہ امام ترمذی رحمہ نے حضرت عبادہ ابن حارث رضی کا قول نقل کیا ہے جو انہوں نے مشہور تابعی حضرت جبر بن زید کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ:-

ان شئت لاحد تمک باول	اگر تم چاہو تو میں بیان کروں کہ پہلا علم جو
علم یرفع من الناس الخشوع	لوگوں سے اٹھایا جائے گا خشوع ہو گا
یومئذ ان تدخل مسجد الجامع	اور قریب ہے کہ تم مسجد جامع میں داخل
فلا تری فیہ رجلاً خاشعاً	جو اور وہاں ایک شخص بھی نہ
(جامع ترمذی جلد دوم باب ماجاء فی ذہاب)	

العلم

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ ”خشوع“ پر علم کا اطلاق کرتے تھے حالانکہ آج کل کی اصطلاح کے مطابق خشوع علم یعنی جاننا نہیں ہے۔ بلکہ ایک عملی کیفیت ہے جس کا مطلب بدن جھکانا، آواز پست ہونا، اور قلب میں خوف کا پسید ہونا ہے۔ (لسان العرب) اور سب جانتے ہیں کہ یہ عملی کیفیات ہیں

آج مسلمانوں کے دینی احیاء کے لئے اسی علم کے ضرورت ہے۔ جو ہم میں علم  
 و عمل کی دو گونہ قوتوں کو زندہ کر دے۔ اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ ہماری درس گاہیں نہ صرف  
 پڑھنے پڑھانے کا فریضہ ادا کریں، بلکہ ہمارے علمی حلقے اس علمی سوز و گداز کا منبع ہوں۔ جو  
 ہمارے قلوب پر الہی عظمت پیدا کر کے خشیت و محبت الہی کے دو گونہ جذبات پیدا کر دے۔  
 کہ عمل کا دروازہ اسی وقت کھلتا ہے جب علم کی عظمت دلوں پر منکشف ہو جاتی ہے چنانچہ  
 دور اول میں بھی یہی عظمت تھی۔ جو دونوں کو عشق الہی ان پر سرسرم کر دیتی تھی۔ اور  
 وہ عمل پر مجبور ہو جاتے تھے۔ ترمذی نے حضرت عرابض ابن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت  
 کی ہے کہ:-

(عرابض ابن ساریہ) کہتے ہیں کہ ایک دن  
 صبح کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے ایک طبع نصیحت کی جس کی وجہ سے  
 (لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے  
 اور قلوب لرز گئے) ایک آدمی نے کہا یا  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نصیحت و دواع  
 کرنے والے کی سی درد انگیز ہے۔ آپ ہم  
 کی مہربانی چاہتے ہیں (تاکہ ہم اس پر عمل  
 پورا سوچیں) آپ نے فرمایا۔ میں تمہیں اللہ  
 سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور ا میر  
 کی تابعداری کی اگرچہ وہ ایک حبشی غلام  
 کیوں نہ ہو۔ تم میں سے (میرے بعد)  
 جو زندہ رہا تو وہ بہت اخلافت دیکھے

گاہ (نفس) دین میں نئی باتوں سے  
 بچنا کہ یگر لڑی ہے پس جس نے تم میں  
 سے اختلافات کا زمانہ پایا اُسے لازم ہے  
 کہ میرے طریقہ پر قائم رہے۔ اور مطلقاً  
 راشدین مہدیین کے طریقے کی پابندی  
 کرے اور مضبوطی سے اس طریقہ ہدایت  
 کو تھامے رکھے۔

اس حدیث سے یہ حقیقت صاف ظاہر ہے کہ صحابہ پر اللہ اور اس کے ارشادات  
 کا اس قدر اثر ہوتا تھا کہ وہ ردِ پڑتے تھے۔ اور ان کے دل لرز جاتے تھے۔ اور وہ ہکا بھٹکتے  
 تھے۔ کہ ہمیں راہِ ہدایت بتائے کہ ہم اس پر گامزن ہو جائیں۔ اگر آج علم کی وہی عظمت عود کر  
 آئے تو آج پھر اعلیٰ کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ علم کی عظمت اس طرح پیدا ہو سکتی ہے کہ ہم  
 اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و قدر کو اپنے قلوب میں بٹھائیں۔  
 کہ الہی علم کا چشمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ ہی سے عالم کی شادابی کا سبب  
 بنا ہے۔ اور جب تک علم کے بھیجنے والے اور پھیلانے والے کی عظمت ہمارے قلوب میں نہیں  
 ہوگی۔ ان کے دے ہوئے علم کی قدر بھی ہم نہیں کریں گے۔ کہ دنیا میں عام قاعدہ ہے کہ  
 جس ہستی کو ہم جلیل القدر سمجھتے ہیں۔ اس کی بات کو بھی ہم اتنا ہی قابلِ توجہ اور قابلِ  
 قدر سمجھتے ہیں۔ بڑے آدمیوں کے اقوال کی قدر ہمارے دلوں میں اسی وجہ سے ہوتی ہے  
 کہ ان کی مستیاں اپنی عظمت کے ساتھ ہمارے دلوں پر مستولی ہو چکی ہوتی ہیں۔ اگر  
 ایک دیہی گنوار اور ایک یگانہ روزگار عالم کی زبان سے ہم ایک ہی بات سنیں تو عالم کی علمی  
 شخصیت کی وجہ سے (جس کی عظمت ہمارے ذہنوں پر چھائی ہوئی ہے) ہم اسی بات کو  
 (جو دیہی گنوار کی زبان سے بھی منی گئی ہے) زیادہ قابلِ وقعت اور قابلِ اعتناء سمجھیں گے۔ کہ

ہماری فطرت شخصیتوں کے اثر نے کی وجہ سے ان کے اقوال کی قدر کی کمی بیشی پر مجبور رہے۔ جو ہستی ہمارے ذہن میں زیادہ وقیع ہو گئی۔ اس کی بات بھی اتنی ہی زیادہ وقیع ہو گئی۔ اشخاص کی یہی عظمت و ہیبت ہوتی ہے۔ جو ان کے اقوال میں جان ڈال کر دنیا کے بڑے بڑے انقلابوں کا باعث بنی ہے۔ یہ سکندر و پولیس، تیمور و ٹیپو کی ذاتی عظمت ہی کا اثر ان کے پر و کاروں پر تھا۔ کہ ان کے ایک ایک لفظ پر لاکھوں جانیں قربان کر دی جاتی تھیں۔ اور یہ اثر و نفوذ صرف جہان بالوں اور کشور کشاؤں کے لئے مخصوص نہیں۔ بلکہ مختلف علوم و فنون کے ماہرین کی شخصیتیں بھی جن کے اقوال اپنے اپنے علم و فن میں حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی عظمت کی حامل ہوتی ہیں اور جب کسی قول کو ان کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ تو سامعین کے قلوب میں اس قول کی قدر بڑھ جاتی ہے۔ غرض کسی قول و امر کی قدر پیدا کرنے کے لئے اور اس پر عمل پیرا کرنے کیسے ضروری ہے کہ پہلے اس قول کے کہنے والے اور امر کرنے والے کی عظمت و قلوب میں بٹھائی جائے۔ کہ جب امر کی عظمت و ہیبت قلوب پر چھا جائے گی۔ تو اس کے امر پر فطرۃً عمل پیرا ہونا پڑے گا جیسے ایک پرہیزگار شیر کو آتے دیکھ کر اپنی حفاظت کے لئے فوراً گوشش کرنا ایک فطرتی خاصہ ہے۔ اسی طرح ایک حاکم و آمر جس کی ہیبت و عظمت رگ رگ میں چھا چکی ہو، اس کے امر کی فوری تعمیل بھی انسانی فطرت ہے۔ ابراہی اور ارشادات رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی عظمت قرآن اول کے مسلمانوں پر چھائی ہوئی تھی جو انہیں اللہ کے ایک ایک امر پر جانیں قربان کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

آج علم اور مقصدِ علم (یعنی عمل) کے پیدا کرنے کے لئے از بس ضروری ہے کہ ہم اللہ کی عظمت و ہیبت و جلال، اس کی ہمہ گیری و ہمہ دانی، معیت و علم اور اس کے سميع و بصير ہونے کا دبیان اس کی محبت کے ساتھ اپنے دلوں میں بٹھائیں اس کے دئے ہوئے احکام پر موملہ و وعدوں کو ہر وقت آنکھوں کے سامنے



رکھیں اور اس کی نافرمانی کے انجام بد کا تصور ہر وقت ہم پر چھایا رہے اور اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم ذکر الہی اور مراقبہ آخرت بہ کثرت کریں کہ اس کے ذکر کی کثرت سے اس کی ذات و صفات کا اثر ہمارے قلوب میں اس کی محبت و خشیت پیدا کرے گا اور اس کی معیت کے مقام بلند سے سرفراز کر کے ہمیں اس کے اوام پر چلا دے گا۔ اور اس کے رنگ میں رنگ دے گا۔ کہ حال نمشین کا اثر یقینی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں ذکر الہی کی غیر معمولی فضیلت اور اہمیت آئی ہے۔

چنانچہ مشہور حدیثِ قدسی ہے۔  
عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ  
تعالیٰ انا عندن عندی بنی وانا معہ  
اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ  
ذکرۃ فی نفسی وان ذکرنی فی  
ملاذ ذکرنی فی ملاذ خیر منہم  
وان تقرب - تقرب  
الیہ وراعا وان تقرب الی ذلک  
تقرب الیہ باعاً وان اتانی  
یمشی - ہرولہ  
رواہ احمد بخاری مسلم والترمذی  
النسائی وابن ماجہ والصبیحی - وصحیح  
مسلم جلد دوم باب الحث علی ذکر اللہ  
تعالیٰ ص ۲۹۱ جلد ۲۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق  
تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بندے کے  
ساتھ دیا بھی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے  
ساتھ گمان رکھتا ہے جب وہ مجھے یاد  
کرتا ہے۔ تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں  
پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے  
تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا  
ہوں اور اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے  
تو میں اس مجمع سے بہتر یعنی قرنتوں  
کے مجمع میں (جو معصوم اور بے گناہ  
ہیں) اس کا تذکرہ کرتا ہوں اور اگر  
بندہ میری طرف ایک بالشت قویج ہوتا  
ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف قویج  
ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا

ہے۔ تو میں دو ہاتھ ادا کر توجہ ہوتا ہوں  
اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں  
اس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں۔

بخاری باب قول وَّيُحِذِرُكُمْ اللَّهُ أَنْفُسَهُ

ص ۱۱۱ ج دوم

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

کیا میں تم کو ایسی چیز بتاؤں جو تمام اعمال  
میں بہترین چیز ہے اور تمہارے ملک کے  
نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ اور تمہارے  
دوبروں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی اور  
سورنہ چاندی کو (اللہ کے راستہ میں)  
خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر اور جہاد  
میں تم دشمنوں کو قتل کردہ تم کو قتل  
کریں۔ اس سے بھی بڑھی ہوئی۔ صحابہ رضی  
نے عرض کیا ضرور بتائیں۔ آپ نے ارشاد  
فرمایا اللہ کا ذکر ہے۔

إِلَّا أَنْفُسَكُمْ خَيْرَ أَعْمَالِكُمْ وَ  
ارْضَاهَا عِنْدَ مَلِكِكُمْ وَأَوْفِئَهَا  
فِي دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرَ لَكُمْ مِنْ  
أَعْطَارِ الذَّهَبِ وَالْوَرَقِ وَمَنْ  
أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوا  
أَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوا أَعْنَاقَكُمْ  
قَالُوا وَمَا ذَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ  
ذَكَرَ اللَّهَ -

(ابن ابی جہ باب فضل الذکر)  
درواہ الترمذی باختلاف سیر۔ ص ۱۱۱

جلد دوم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے  
روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

کوئی قوم اللہ کے ذکر کرنے کے لئے نہیں  
بیٹھتی مگر فرشتے اس کو ڈھانپ لیتے ہیں  
اور رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور سکنہ  
ان پر نازل ہوتا ہے۔ اور اللہ اپنے پاس

لَا يَتَعَدُّ قَوْمٌ يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا  
حَفَّتْهُمْ الْمَلَائِكَةُ وَغَشِيَتْهُمْ  
الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ  
السَّكِينَةُ وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ

فی من عنده ،  
والولی یعنی فرشتوں کے سامنے ان کا ذکر  
(مصحح مسلم باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن)  
(وعلی الذکر)

امام بخاری و مسلم نے ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا :-

مثل الذی یدکو ربہ والذی لا  
یذکو مثل الحی والمیت .  
(مشکوٰۃ باب ذکر اللہ عزوجل)  
(جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے ۔ اور جو نہیں  
کرتا ان کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے ۔  
(کہ ذکر زندہ ہے اور غافل مردہ)

امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ  
علیہ وسلم نے فرمایا :-

من تعد مقعداً لم یدکو اللہ فیہ  
کانت علیہ من اللہ توفہ ومن  
اضطجع مضجعاً لا یدکو اللہ فیہ  
کانت علیہ من اللہ توفہ  
(مشکوٰۃ ص ۱۹۸)  
(جو شخص بیٹھا اور پوری نشست میں ایک  
دفعہ بھی اللہ کا ذکر نہ کیا تو اس پر اللہ کی طرف  
جسرت ڈالی جاتی ہے ۔ اور جو شخص لیٹا اور  
پورے وقت میں ایک بار بھی اللہ کا ذکر نہ  
کیا تو اس پر اللہ کی طرف سے حرمان و جسرت  
ہے ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا کہ :-

کوئی جماعت ایسی مجلس سے نہیں اٹھتی جس میں اللہ کا ذکر نہ کیا گیا ہو ۔ مگر اس کی  
مثال ایسی ہوتی ہے کہ گویا وہ گدھے کی مڑلاش سے اٹھی ہے اور ان کیسے بحرمان و جسرت  
کا فیصلہ ہوتا ہے ۔  
(مشکوٰۃ ص ۱۹۸)

کہ وہ مجلس مجذوبہ حسیب سے خالی ہے حسرت دیاس کے سوا اس میں کیا رکھا ہے یقیناً خالق کی یاد سے غافل مجلس ناپاک اور گنہگار کی ہنسی ٹھکانہ ہے۔ دنیا سے یاد الہی اور اس کے یاد کرنے والوں کو تعلیم دے کر یا جائے تو مرد دنیا کے سوارہ ہی کیا جاتا ہے جس کا تذکرہ کیا جائے۔ شاید اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

لا تكثر والكلام بغیر ذکر کو اللہ فان  
كثرة الكلام بغیر ذکر کو اللہ قسوة  
للقلب وان بعد الناس من  
اللہ القلب القاسی  
اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ باتیں نہ کر دو۔  
ذکر کے بغیر زیادہ باتیں قلب کی توت  
(مختفی) کا سبب ہیں۔ اور اللہ سے مب  
سے زیادہ وہ "قلب قاسی" ہے۔

(مشکوٰۃ ص ۱۹۰ بحوالہ ترمذی روایت ابن عمر)

ام جلیلہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم کے تمام کلام (باتیں) سوا امر بالمعروف نہی عن المنکر اور ذکر الہی کے باندھے ہیں :-

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمد اور ترمذی نے روایت کی ہے

کہ :-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
سئل ای العبادۃ افضل درجۃ  
عند اللہ لوم القیمة قال الذاکرین  
اللہ کثیراً قال قلت یا رسول  
اللہ ومن الغازی فی سبیل اللہ  
قال لو ضرب بسیف فی الکفار  
والمشکین حتی ینکسر و  
یختصم سب وصال کان الذاکرین  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا  
کہ قیامت میں اللہ کے نزدیک کن لوگوں کا  
درجہ سب سے افضل ہوگا۔ آپ نے فرمایا  
اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والوں کا ابی سعید  
خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے  
عرض کیا یا رسول اللہ کیا اللہ کی راہ میں  
جہاد کرنے والے غازی سے بھی بڑھ کر اس  
کا درجہ ہوگا۔ آپ نے (جواباً) فرمایا۔ ہاں

اللہ کثیراً افضل منہ درجۃ  
 اگر گناہ و مشرکین کے ساتھ تلوار سے  
 (ترمذی باب ما جاء فی فضل الذکر و مکتوٰۃ  
 اتناڑے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون میں  
 رنگ جائے۔ تب بھی اللہ کا بکثرت ذکر  
 بخیر احمد و ترمذی و قال الترمذی ہذا  
 حدیث غریب)  
 کرنے والوں کے درجے اس سے  
 افضل ہوں گے۔

کہ جب جہاد و قتال کا مقصد بھی اعلیٰ و اکملۃ الحق اور ذکر الہی ہے تو مقصد یہ صورت ذلیلہ و  
 سبب سے مافوق سے۔ ذکر الہی دلوں کو کھولتا ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا سے  
 معلوم ہوتا ہے۔

اللہم افتح اقلوبنا  
 یا اللہ کھول دے قلوب ہمارے دلوں کے  
 بذکرک۔ اپنے ذکر سے

ذکر سے قلوب کا رنگ اتر جاتا ہے۔ گناہوں کے اثرات مٹ جاتے ہیں اور دل انوار الہی  
 کے قبول کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

امام بیہقی روایت کبیر میں عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 انہ کان یقول لکل شیء صقالة  
 وصقالة القلوب ذکر اللہ وما من  
 انجی من عذاب اللہ من ذکر اللہ  
 قالوا کمال الجہاد فی سبیل اللہ  
 قال ولا ان یضرب بسیفہ  
 حتی ینقطع  
 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔  
 کہ آپ فرماتے تھے۔ ہر چیز کو صیتل کرنے  
 اور چمکانے والی چیز ہوتی ہے اللہ دلوں کو  
 صیتل کرنے والا اللہ کا ذکر ہے۔ اور عذاب  
 الہی سے کوئی چیز ذکر الہی سے زیادہ نجات دینے  
 والی نہیں۔ صحابہؓ نے عرض کی جہاد فی سبیل  
 اللہ بھی اس سے زیادہ نہیں؟ آپ نے  
 فرمایا اگر اپنی تلوار سے اتنا مارے کہ تلوار

(مکتوٰۃ - ۱۹۹)

ٹوٹ جائے تاہم ذکر الہی زیادہ نجات دینے والا ہے۔

ذکرِ ماسوا کے قطعات قطع کر کے خالق سے بندے کا رشتہ جوڑ دیتا ہے۔

وَ اذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبْتَئِلْ اِلَيْهِ  
اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور  
تبتیلاً  
سب سے قطع کر کے اسی کی طرف متوجہ  
رہو۔ (الزل-۱)

ذکرِ الہی دلوں کا چین، قلوب کی راحت اور ہدایت کا ذریعہ ہے :-

وَيَهْدِي اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ  
جو شخص ان (اللہ) کی طرف توجہ ہوتا ہے۔  
الَّذِينَ اٰمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ  
اس کی اپنی طرف ہدایت کر دیتے ہیں۔ مراد  
يَذْكُرُ اللّٰهُ هَ اِلَّا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ  
اس سے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور  
الْقُلُوبُ . اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان  
ہوتا ہے۔ خوب سمجھو کہ اللہ کے ذکر سے  
دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ (السعد-۴)

ذکر کی یہی گونا گوں صفات اور کیمیائی اثرات تھے جس نے صحابہؓ کی زندگی کو سہرا پاؤں بنا دیا تھا۔ وہ چلتے پھرتے، بیٹھے اور لیٹے خیالی محبوب میں مست اور اس کی یاد میں رطب اللسان تھے انکی رزم و نرمی کی محفلیں نام حق سے گونج رہی تھیں۔ ان کے کاشانے آرام گاہیں، مکان و دکانیں بازار و تفریح گاہیں، باد حبيب سے عطر منیر تھیں، ان کی خلوتیں اسی کے دھیان سے نمود اور ان کی جلوتیں اسی کے تذکروں سے آباد تھیں۔ ان کی راتیں جمالِ دوست سے روشن اور ان کے دن اسی کی تجلیوں سے منور تھے۔ ان کے قلوب جلوہ الہی سے معمور اور ان کی نگاہیں کیفِ عشق سے معمور تھیں۔ زبانیں سبح کناں۔ اعضا و جوارح عظمت الہی سے پر خروش اور مدحیں الوار الہی سے مستور تھیں۔ ان کی تجارتیں انہیں ذکر حق سے غافل نہیں کرتی تھیں اور ان کے کاروبار

ان کی ظلتوں میں باہر نہیں پاتے تھے :-

وَجَالُوا لَا تَلْبِسُهُمْ خِيَابُهَا وَذُ  
لَابِيعٍ عَمَّنْ ذَكَرَ اللَّهُ ط

ایسے لوگ جن کو بار بار اور خرید و فروخت  
کا شغل یاد الہی سے غافل نہیں کرتا

(نور - ۵)

ذکرِ دوام سے ان کے دل زندہ تھے۔ ان کی رفتار و حرکت اور ان کا آرام و سکون الہی  
نعیموں سے پرشور تھا۔

يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَ  
عَلَى جُنُوبِهِمْ ط

خدا کو اٹھتے بیٹھتے  
اور لیٹے یاد کرتے

(ال عمران - ۲۰) ہیں۔

آرام گاہوں کو چھوڑ کر جمالِ یار کی کیف انگیز خلوتوں کے طالب اپنی لڑلوں کو اسی کے جلو  
سے آباد کیا کرتے تھے۔

تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنْ  
الْمَضَاجِعِ يَذْكُرُونَ رَبَّهُمْ  
خَوْفًا وَطَمَعًا ط

جن کے پہلو درات کو (خواب گاہوں سے  
علیحدہ بستے ہیں وہ خوف و امید کے ساتھ  
اپنے پروردگار کو بھارتے ہیں۔

(السجدہ - ۲۰)

اللہ کے ذکر میں یہی کیفیت ہے۔ جو اللہ کے ماننے والوں کو ہر وقت اسی کے دھیان  
میں لگن رکھتی ہے۔ اور ذکر کی حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ اللہ کا خیال بندہ پر اس طرح طاری رہے  
کہ ہر وقت الہی معیت و حضور کا یقین اور اللہ عزوجل کے حاضر و ناظر ہونے کا ایمان اسے تمام  
معاصی سے مجتنب رکھ کر تمام ادا امر الہیہ پر چلا کر رضائے مولا سے ہمکنار کرادے کہ  
اللہ کا چاہنے والا اپنے محبوب کو سامنے دیکھتے ہوئے اس کے کہنے کے خلاف نہیں کر  
سکتا۔ اور اس کے حکم سے انحراف اس کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے جس کی نگاہیں

تمناٹائے جمال سے ہر وقت روشن ہوں۔ وہ خلوت و جلوت میں مباحی کی ظلمت سے دور ہی رہے گا اور رضائے حبیب کی طلب میں اس کی زندگی سراپا مدعا سے درست بن جائے گی۔ اور اس کی ہر حرکت اسی سے ہوگی۔

اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتا ہے۔

وما تقرب الی عبدی بشئ  
احب الی مما افرقت علیہ  
وما یزنا عبدی یتقرب الی  
بالنوافل حتی احببته فلننت  
سمعه الذی یسمع بہ و  
بصرہ الذی یرى بہ ویدہ  
القیبطش بہا ووجہہ الی  
یمشی بہا۔

میرا بندہ جو چیزیں مجھ سے پسند ہیں ان میں  
فرمانوں سے زیادہ کسی چیز کے ذریعہ میرا  
قرب حاصل نہیں کرتا اور میرا بندہ نوافل  
کے ذریعہ قرب کے لگاتار مراتب طے کرتا  
رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت  
کرنے لگتا ہوں پس میں اس کے کان  
بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اسکی  
آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔  
اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا  
ہے۔ اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں  
جس سے وہ چلتا ہے۔

(صحیح بخاری باب التواضع ص ۹۶۳ ج ۲)

مشکوٰۃ ص ۱۹۰ بحوالہ بخاری ص ۱۹۰

(ابن عربیہ)

اس کی تمام زندگی الہی رنگ میں نکھر کر سیرتِ مطہرہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابع ہو جاتی ہے کہ سیرتِ طیبہ ہی رضائے الہی کا انتہائی عملی نمونہ ہے اور ذاتِ پاک ہی کائنات میں اللہ بنایا ہوا اسوۂ کامل ہے۔

دین اور آئین اور تفسیر کل  
عقل اور صاحب اسرار کرد  
کاروان شوق اور منزل است  
دربین اور حفظِ تقدیر کل  
عشق اور تیغِ جہر وار کرد  
ماہمہ یک مشقِ خاکیم اور دل است



ذکر الہی اپنی ان حقیقتوں اور کیفیوں کو لئے ہوئے جب علم الہی کی روشنی میں قلب ہنوں پر اثر ڈالتا ہے۔ تو قلب کی دنیا بدل جاتی ہے۔ وہ متعاد و متاثر ہو کر طاعت الہی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کی تبدیلی انسان پر عمل کا دروازہ کھول دیتی ہے کہ یہ دل، ہی ہے جس کی کائنات بدلنے سے انسان پر کاپلیٹ جاتی ہے۔ اور اعضا و جوارح دل کی پروی میں احکام الہی پر گامزن ہو جاتے ہیں اس طرح علم و ذکر کے اس اتزاج سے اس زندگی کی تشکیل ہوتی ہے جو الہی حقیقتوں بنوی برکات اور انسانیت کے اور کمال کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

موجودہ زمانہ میں جب کہ دور رسالت کے بعد کی وجہ سے اسلامی زندگی ٹوٹ چکی ہے۔ علم و ذکر کا حقیقی حصول ہی اس زندگی کو عالم میں دوبارہ قائم کر سکتا ہے اس کے ضروری ہے کہ ہمارے علمی حلقوں پر ذکر کی کیفیت طاری ہو۔ دور رسالت میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اطہر ہی علم کی عظمت پیدا کرنے کے لئے کافی تھا آج اس کا بدل اللہ کی عظمت انوارا علم الناس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی و محبت کا دھیان ہے کہ جب ہم میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و قدر اور محبت و الفت پیدا ہوگی۔ تو ان کی بتائی ہوئی باتوں اور اوامر کی قدر و محبت بھی ہمارے قلوب میں جاگزیں ہوگی۔ کہ کسی قول کا وسیع ہونا صاحب قول کی وقعت پر ایک حد تک مبنی ہے اور جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و امر کی قدر و محبت ہمارے دلوں میں راسخ ہو جائے گی۔ تو فطرتاً ہی ان پر عمل پیرا ہو جائیں گے۔ کہ محبوب و وسیع چیز کے حصول کی جستجو و طلب فطرت انسانی ہے۔ اس طرح سے اس پاک و مطہر زندگی کا عملی دروازہ ہم پر کھل جائے گا۔ جو کائنات کے لئے سایہ رحمت ہے۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقعت و عظمت کو دل میں بھانپنے

ہوئے ہیں قرآن اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم و تعلم درس و تدریس کے لئے اپنے کچھ اوقات کو فارغ کرنا چاہیے۔ اس تحصیل علم کے لئے عملی نمونہ جس قدر زیادہ ہوگا۔ اسی قدر عمل کی راہیں زیادہ کھلیں گی۔ کہ بعض عرفا کا قول ہے۔

”قول سے قول پیدا ہوتا ہے اور عمل سے عمل پیدا ہوتا ہے“

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ دور صحابہ رحمہ میں صحابہ رحمہ اکثر مسائل کا جواب عمل سے دیتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ سے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے متعلق سوال کیا گیا تو بجائے زبانی بتاتے کے عملاً اس طرح تعلیم دی کہ :-

قد عابتو من ماء فتوضأ لہم الخ پانی کا برتن منگو الیا اور پھر ان کے بتاتے کیئے وضو کیا۔۔

روایت میں ان الفاظ کے بعد آپ کے بتائے ہوئے وضو کی تفصیل ہے۔

(صحیح بخاری ج ۳۲ باب سج الاستواء)

اسی طرح حضرت مالک ابن حویرثؓ نے ایک دفعہ اپنے ملنے والوں سے کہا۔

انکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم قال وذاک

فی غیر حین صلوٰۃ فقام ثم

دک الخ

نہیں تھا۔ پھر عملاً تعلیم دینے کے لئے نماز شروع کی (اور) قیام کیا پھر رکوع کیا الخ

اسی طرح پوری نماز پڑھ کر عملاً نماز کی تعلیم دی (زبانی تعلیم پر اکتفا نہیں کیا)

(بخاری ج ۱۳ - ج ۱ باب لکث دین السجین)

دوسری روایت میں حضرت مالک ابن حویرث رحمہ نے صاف تصریح کر دی۔ کہ ان کا مقصد

نماز کے پڑھنے سے علم تعلیم دینا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھتے تھے۔ وہ نہ زبانی بھی وہ نماز کا نقشہ کھینچ سکتے تھے۔ چنانچہ اس روایت کے الفاظ

یہ ہیں :-

عن ابی قلابہ قال جاءنا مالک	ابی قلابہ سے روایت ہے کہ حضرت مالک
بن الحویرث فصلی بنانی مسجد	ابن حویرث ہمارے پاس آئے۔ اور ہمیں
فاخذ افعال انی کا صلی بکم وما	اس مسجد میں نماز پڑھائی اور پھر کہا۔ میں
ارید الصلوۃ لکن ارید ان اریکم	نے جو تمہیں نماز پڑھائی اس سے میرا
کیف رأیت رسول اللہ صلی اللہ	ارادہ اس کے سوا اور کوئی بھی نہ تھا
علیہ وسلم لصلی	کہ تمہیں یہ دکھا دوں کہ رسول اللہ
(بخاری باب کیف یتمدد علی الارض اذا	صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز
قام من الرکعت)	پڑھتے تھے :-

میرا مطلب ان روایتوں کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ ہمارے مکات و مدارس میں علمی تعلیم کا جو طریقہ متروک ہو چکا ہے۔ دوبارہ زندہ ہو جائے کہ آنکھوں کی بجائے چیز سنی ہوئی سے زیادہ موثر ہوتی ہے اور جلد سمجھ میں آ جاتی ہے۔

تعلیم کا ثمرہ حاصل کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ طالب علم کو اعمال کی جزا اہل فائدوں سے آگاہ کیا جائے کہ جس قدر اعمال صالحہ کے اخروی اور ان کے ضمن میں دنیوی فائدے اس پر منکشف ہوں گے۔ فطرتاً علی پر پڑنے کے لئے اس کا ذوق و شوق بڑھے گا۔ کہ انسان خیر کا حریص ہوتا ہے جس قدر اعمال کی قدر و قیمت معلوم ہوگی۔ ان کے حصول کی کوشش اسی قدر بڑھے گی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ فضائل و ترغیب کی احادیث کا بکثرت مذاکرہ کیا جائے کہ نفس ان اعمال کی لذت محسوس کرنے لگے۔ اور قلب میں ان کی محبت رچ جائے اور جوابانی

قلب و نفس کسی چیز کو چاہنے اور پسند کرنے لگتا ہے تو انسان اس پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح منکرات پر جو جو سزائیں اور وعیدیں آئی ہیں ان کی تفسیر و تذکرہ بھی بڑائیوں سے روکنے کا ایک بڑا سبب بنے گی۔ اور بشیر و تنذیر کے اس نبوی طریقہ تعلیم سے متعلم بڑائیوں سے مجتنب ہو کر نیکیوں پر عمل پیرا ہو جائے گا۔

ہمیں اس چیز کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ عمومی تعلیم دین کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ متنازعہ فیہ مسائل میں عوام کو نہ الجھایا جائے کہ اس طرح ان کی طبیعت عمل کی راہ سے ہٹ کر قیل و قال اور جدل و مناظرہ میں پھنس کر رہ جائے گی جس کا ان کے کوئی دینی فائدہ نہیں۔ مزید بڑوں متفق علیہ اتنے مسائل ہیں اور بے قیل و قال عمل کے لئے اتنا میدان وسیع ہے کہ ایک سلیم الطبع انسان اس پر گامزن ہو کر آسانی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

عمومی تعلیم دین کے لئے ہیں پھر سے مابعد میں قرن اول کی طرح علم و فکر کے حلقے قائم کرنے ہیں کہ مدارس و خانقاہیں، عامۃ المسلمین کی دینی تعلیم و تربیت کی کفیل نہیں ہو سکتیں کہ اس مشغول زمانہ میں ہر کہ در کے لئے مدارس و خانقاہیں کے لئے فروخت مشکل ہے اور نہ ہی اتنی کثیر آبادی کے لئے مدارس و خانقاہیں مہیا کی جاسکتی ہیں۔ دین کے ان نئے طلبہ گارڈوں کیلئے جن کی بھتیس اللہ نے بلند کر دی ہیں، مدارس اور خانقاہیں ضروری ہیں کہ علم و تزکیہ کے امام و عارف دیں سے بن کر نکلتے ہیں۔ ان اللہ والوں کی مثال اصحاب صفہ جیسی ہے جن کی پوری زندگی علم و ذکر کے لئے وقف ہو چکی تھیں۔ لیکن عام مسلمانوں کی پوری زندگی اس پاکیزہ کام کے لئے عملاً وقف نہیں کر سکتے۔ ان کے لئے لازم ہے کہ دور اول کی طرح مابعد میں تعلیم و تعلیم اور ذکر و ہدایت کے حلقے قائم کریں ہمیشہ تحصیل علم و عمل کا اہتمام کریں۔ دین کی بنیادی باتیں سیکھیں اور سکھائیں۔ ضروری مسائل کا علم حاصل کریں۔ فرائض و واجبات پر عمل پیرا ہوں۔ اور

سنن و محتاج پر چلنے کی کوشش کریں تاکہ دینی زندگی جو کہ صدیوں کے جمود کی وجہ سے ٹوٹ چکی ہے۔ دوبارہ عالم کو اپنی روشنی سے منور کرے ہماری مساجد پھر سے علم و ذکر کے نور سے منور اور تزکیہ و پلایت کی روشنی سے چمک اٹھیں۔ جس طرح مسجد نبوی کے طالب علم عالم کے امام بنے تھے۔ اگر آج انہیں بنیادوں پر ہر مسلمان دین کا ضروری علم سیکھے اس پر خود عمل پیرا ہوا اور دوسروں کو اس کی دعوت دے تو سادہ عالم پھر سے ایمانی کمروں سے جگمگا سکتا ہے۔ صحابہؓ کے زمانہ میں ہر چھوٹا بڑا، امیر و غریب، تاجر و کاشتکار، ملازم و بیوپاری ہر شخص دین کا ضروری علم رکھتا تھا کہ جب تک علم نہ ہو عمل ناممکن ہے۔ اور جب تک ہم رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی زندگی کی واقفیت و علم نہیں رکھیں گے۔ ہم اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال نہیں سکتے۔ اسی لئے کتب و سنت میں علم کی اس تفصیلت آئی ہے۔ استقصاء مقصود نہیں۔ تاہم تبرکاً ایک دو آیتیں اور چند پیش علم اور طلب علم کی فضیلت میں نقل کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

۱، يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ  
وَالَّذِينَ (أَوْتُوا) الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ

بلند کرتا ہے اللہ تعالیٰ درجے تم میں  
سے ان لوگوں کے جو لوگ ایمان لائے اور  
جو لوگ علم والے ہیں۔

۲، قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ  
يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا  
يَعْلَمُونَ ۚ

آپ فرما دیجئے کیا جاننے والے (علم  
رکھنے والے) اور نہ جاننے والے برابر  
ہو سکتے ہیں؟ (مراد یہ ہے کہ ہرگز برابر  
برابر نہیں ہو سکتے)

۳، إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ  
مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ

تحقیق اللہ تعالیٰ سے اس کے علم رکھنے  
والے بندے ہی ڈرتے ہیں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

من یردد اللہ بہ خیراً  
یفقہہ فی الدین  
(منکوۃ کتاب العلم صحیح بخاری ص ۱۳)  
اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا  
چاہتا ہے۔ اسے دین کی سمجھ  
عطا فرماتا ہے۔  
ابن ماجہ ص ۲ جامع ترمذی ص ۸۹

(جلد دوم و مسلم دینرہ)

کہ دین کی سمجھ اور علم کے بغیر عمل ناممکن ہے۔ اس لئے دین جو کہ سراسر خیر ہے  
اس کے حصول کے لئے اولیٰ علم کی تحصیل ضروری ہے۔ کہ علم کی روشنی کے بغیر راہ ہدایت  
کی تلاش اور اس پر گامزن ہونا سراسر بے وقوفی اور چہالت ہے۔ اسی لئے رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

طالب العلم فلیضیۃ  
علیٰ کلّ مسلم  
علم (دین) کی طلب ہر مسلمان پر  
فرض ہے۔

(ابن ماجہ باب فضل العلم)

دوسری جگہ ارشاد ہے :-

علم کو حاصل کرو اگرچہ چین میں ہو۔

(احیاء العلوم)

دین کی تمام تر سبزی و شاواہی دین کے علم پر موقوف ہے۔ جب تک ہم سنیہ  
جانبیں گے کہ دین کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز سے راضی ہوتے ہیں؟ صراطِ مستقیم کیا  
ہے؟ ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ اسلام کا مدعا کیا ہے؟ سرور کائنات صلی اللہ  
علیہ وسلم نے اپنی زندگی کس طرح گزاری ہے۔ اور ہمارے لئے کیا نمونہ چھوڑا  
ہے؟ ہم دین کی راہ پر چل نہیں سکتے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

علم اور طالب العلم کے فضائل بکثرت بیان فرمائے ہیں۔

امام احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔

عن کثیر بن قیس قال کنت جالساً

مع ابی الدرداء فی مسجد دمشق

فجلو لاجل فقال یا ابی الدرداء

انی جئتک من مدینۃ الرسول

صلی اللہ علیہ وسلم لحديث

یلغنی انک تحدّثہ عن رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما

جئت لحاجة قال فانی سمعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

سلم یقول من سلک طریقاً

یطلب فیہ علماً سلک اللہ بہ طریقاً

من طرق الجنة وان الملائكة

تضع اجنتھما وضالطا العلم

وان العالم یتغفر له من فی السموات

ومن فی الارض والحیتان فی

جوف الماء وان فضل العالم

على العابد کفضل القمر لیلۃ البدر

على سائر الکواکب وان العلماء

ورثة الانبیاء وان الانبیاء

کثیر ابن قیس سے روایت ہے کہ میں

حضرت ابی الدرداءؓ کے ساتھ دمشق کی

مسجد میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص ان کے پاس

آیا اور کہنے لگا۔ اے ابو درداء میں

مدینہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آیا ہوں

میرے آنے کا مقصد سوا اس کے اور

کچھ بھی نہیں کہ میں نے سنا ہے آپ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک

حدیث روایت کرتے ہیں حضرت ابو

درداء نے کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جن نے طلب

علم کے لئے کسی راستہ پر چلنا شروع کیا

اللہ تعالیٰ اس راستہ کے بدلے اسے

جنت کے راستوں پر چلائے گا۔ اور

طاہرہ طالب علم کے پاؤں کے نیچے اپنی

خوشنودی کے اظہار کے لئے پر بچا تے ہیں

عالم کے لئے آسمانوں اور زمین کی تمام

مخلوقات اور سمندر کی مچھلیاں تقرب

لم یؤثر ثواباً دیناراً ولا درهماً  
وَأَنَا وَرَثَتُهُ الْعِلْمُ فَمَنْ  
أَخَذَهُ فَخِذْ بِحِظِّ وَافِرٍ  
(مشکوٰۃ کتاب العلم الفضل الثانی، ابن  
ماجہ باب فضل العلماء، ترمذی باب  
ما جاز فی فضل الفقه علی العبادۃ  
ص ۹۳ جلد دوم عن قیس ابن کثیر  
ابو داؤد جلد دوم کتاب العلم)

چاہتی ہیں۔ اور عالم کی فضیلت عابد پر  
ایسی ہے جیسی بدیہ کمال کی دوسرے  
تساویوں پر۔ اور علم اپنی اذکے وارث  
ہیں کہ انبیاء و رہم و دینار کی وارث نہیں  
چھوڑتے۔ ان کی میراث علم ہوتی ہے۔  
پس جس نے علم حاصل کیا اس نے بڑا  
حصہ نعمت کاپایا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت  
کرتے ہیں :-

فقیہ واحد (شد علی الشیطان  
من الف عابد -  
(مشکوٰۃ ص ۳۳ جلد دوم و  
ابن ماجہ ص ۲)

دین کی سمجھ رکھنے والا ایک عالم  
شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے  
زیادہ بھاری ہے۔

ترمذی نے ابوامامہ اور امام سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کے سامنے دو آدمیوں کا جن میں ایک عالم اور دوسرا عابد تھا تذکرہ کیا گیا۔ آپ نے  
فرمایا

فضل العالم علی العابد کفضل  
علیٰ اذ ناکم ثم قال رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ  
وملائکته واهل السموات

عالم کی فضیلت عابد پر علم پر ایسی  
جیسی میری فضیلت تم میں سے آدمی  
قرین شخص پر۔ پھر آپ نے فرمایا۔  
اللہ تعالیٰ اس کے ملائکہ اور آسمانوں



اور زمینوں کے سپنے دے حتیٰ کہ  
چیونٹی اپنے بل میں اور مچھلیاں تک  
لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے کے  
لئے دعا کرتی ہیں :

والا رحمن حتیٰ الخلة فی جحرها  
وحقی الحوت یصلون علی معلم  
الناس الخیر .  
(ترمذی باب ماجاء فی فضل الفقه  
علی العبادۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے  
ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس کے آخر کے الفاظ یہ ہیں :

ومن سلك طريقاً يلتمس فيه  
علماً سهل الله به طريقاً الى  
الجنة وما اجتمع قوم في  
بيت من بيوت الله تيلون  
كتاب الله ويتدارسونه  
بينهم الا نزلت عليهم  
السكينة وغشيتهم  
الرحمة وحفهم الملائكة  
وذكرهم الله في من عنده  
ومن بطأ به عمله  
لم يسرع به نسبه  
مشکوٰۃ ص ۲۲ بحوالہ اسم ابن ماجہ

جو شخص طلب علم کے لئے کسی راستہ پر  
چلا ۔ اللہ تعالیٰ اس راستہ کے بدلے  
میں جنت کا راستہ اس کے لئے آسان  
کر دے گا ۔ اور انہیں جمع ہوتی کوئی  
قوم (لوگ) اللہ کے گھروں میں سے کسی  
گھر (مسجد) میں کہ اللہ کی کتاب کی  
تلاوت کرتے ہوں ۔ اور باہم اس کا  
مذکرہ کرتے ہوں ۔ مگر نازل ہوتی ہے  
ان پر سکینہ (طمینت) اور ڈھانپ  
لیتی ہے انہیں رحمت اور گھیر لیتی  
ہیں انہیں فرشتے ۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے  
پاس والوں کے سامنے ان کا ذکر کرے گا

اور جسے اس کا عمل (تقرب الہی اور نجات) سے (بوجہ غلی یا ظلم پر عمل نہ کرنے کے)  
پیچھے کر دے اس کا نسب اسے آگے نہیں کر سکے گا ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :-

کہ آپ نے فرمایا :-

جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل متقطع ہو جاتا ہے۔ مگر تین چیزوں کا اجر اسے ملتا رہتا ہے (اگر اس نے حیات میں کئے ہوں) صدقہ جاریہ، دوم ایسا عمل جس سے اس نے نفع اٹھایا ہو (یعنی کسی کو علم کی باتیں بتائی ہوں) یا خود اس پر عمل کیا ہو۔ سوم ولد صالح جو اس کے لئے دعا کرے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۲ بحوالہ مسلم)

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :-

ان یشتیع المومن من خیر	مومن کو خیر کی بات سے (یعنی طلب علم)
یسمعه حق اكون منہ قہ	سے میری نہیں ہوتی، یہاں تک کہ اس
الجنة .	کی انتہا جنت ہوتی ہے۔

(بخاری الترمذی وقال حدیث حسن عزیز ص ۳۳)

ترمذی اور دارمی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

من خرج فی طلب العلم فهو	جو شخص علم کے لئے (اپنی جگہ سے)
فی سبیل اللہ حتی یرجع	نکلا۔ وہ اللہ کی راہ میں (مجاہد کی طرح)
	پے یہاں تک کہ واپس لوٹ آئے (یعنی)
	اسے مجاہد کا ثواب ملتا رہے گا۔

(مشکوٰۃ کتاب العلم)

حضرت سنجرۃ الارضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا :-

من طلب العلم كان كقارقه لها  
مضیٰ

جس نے علم حاصل کیا۔ وہ اس کے  
ماسبقی ہوں گا کفارہ ہو جائے گا۔

رواہ الترمذی والدارمی مشکوٰۃ ص ۳۱

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے  
نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا :-

حسد الاثني دجل  
آماہ اللہ مالا علیٰ حاکمتہ فی  
الحق ودجل آماہ اللہ الحکمتہ  
فہو یفشی دہما ویعلمہا۔

صرف دو آدمیوں پر ہی رشک ہو سکتا ہے  
ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا ہو اور  
وہ اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کرے  
اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے دین کا

علم دیا ہو۔ اور وہ اس سے فیصلہ

کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم  
دے

(مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم، بخاری باب  
الاعتباط والمسلم)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت  
کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا :-

جس ہدایت اور علم کے ساتھ اللہ نے مجھے مبعوث کیا ہے۔ اس کی مثال  
بحر پور بارش کی ہے جو زمین پر ہوتی ہے۔ اور زمین کے مختلف طبقے ہوتے  
ہیں۔ بعض حصہ عمدہ ہوتا ہے۔ اور (جلد) پانی کو جذب کر لیتا ہے۔ اور  
گھاس اور ہریالی کثیر مقدار میں اس پر پیدا ہو جاتی ہے۔ اور زمین کا بعض  
حصہ پانی کو اپنے اندر نہیں لیتا ہے اس سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں۔ اس  
سے پانی پیتے اور پلاتے ہیں۔ اور کھیتیاں پاتی دیکر اگاتے ہیں اور زمین کا

بعض ٹکڑاں بچ جان ہوتا ہے نہ پانی کو ٹھہرتا ہے۔ اور نہ اس پر کچھ لگا سکتی ہے۔ یہ پہلی مثال اس کی ہے جو دین میں سمجھ حاصل کرتا ہے۔ اور جس چیز کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اس سے فائدہ اٹھاتا ہے خود علم حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو تعلیم دیتا ہے۔ اور آخری مثال اس شخص کی ہے جو اس ہدایت کی طرف سر بھی اڑنچا نہیں کرتا۔ (یعنی اتفات نہیں کرتا) اور جو ہدایت میں دے کر بھیجا گیا ہوں اسے قبول نہیں کرتا۔  
(صحیح بخاری باب فضل من علم و علم)

قرآن و حدیث کے ان جواہر ریزوں سے اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ علم ہی اسلامی زندگی کے حقائق کو ہم پر آشکار کر کے ہمیں راہ ہدایت پر گامزن کرتا ہے۔ اور ہم میں ایمان و ایقان کے جذبات پیدا کر کے ہمیں سراپا مسلم اور دین برہی پر عامل بنا دیتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کبھی میں بھی تحصیل علم کے فریضے سے غافل نہیں ہوتے تھے جیسا کہ امام بخاریؒ نے تصریح کی ہے۔

(بخاری ص ۱۱۱)

اور ایک ایک حدیث کے لئے مہینوں کا سفر برداشت کرتے تھے۔ مثلاً حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے مدینہ سے شام کا سفر صرف ایک حدیث کے علم کے لئے اختیار کیا۔  
(بخاری تعلیقاً باب اخرون فی طلب العلم)

آج اگر ہمارا یہ جذبہ سرد ہو چکا ہے تو کم از کم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اپنے اپنے علاقوں، محلوں اور گاؤں کی مساجد میں اپنی دیناوی مشغولیتوں سے کچھ وقت نکالتے ہوئے دین کا فرضی علم عمل کی نیت سے حاصل کریں۔ اس کے لئے اپنے علماء کے مشورے سے ہم کتابوں کا مختصر سا نصاب بنا سکتے ہیں جو نوی طریقہ تعلیم و ہدایت کے مطابق ہو۔ تہذیب و تشریف

ترغیب و فضائل، تربیب و وعید کا جامع، الہی خوف و خشیت اور محبت و الفت پیدا کرنے والا اور عمل پر ڈالنے والا ہو۔ تعلیم کا طریقہ الہی عظمت و محبت اور ذکر کی کیفیت کو لئے ہوئے ہو۔ علم کی بجائے عملی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی جائے اور قول سے زیادہ عمل پر نفع دیا جائے۔ جو اشخاص ناخواندہ ہوں۔ اور پڑھنے کی ہمت نہ پاتے ہوں۔ ان کے لئے صدق نیت سے دوسروں سے سن کر ان پر عمل پیرا ہونا اور دوسروں کو اس کی ثواب کی نیت سے دعوت دینا ہی کافی ہے۔ جو جوان ہمت لوگ علم کا معتد بہ حصہ حاصل کرنا اور عالم بننا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے تو درس گاہوں ہی میں باقاعدہ تحصیل کے سوا چارہ کار نہیں۔ لیکن عامۃ الناس کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ یہ بھی کافی ہوگا۔ کہ اللہ کی عظمت و کبریائی اور اوامر الہیہ کی قدر و قیمت کا دھیان کرتے ہوئے۔ دین کا ضروری علم عمل کی نیت سے حاصل کیا جائے کہ علم میں اخلاص و تعلق مع اللہ سے نورانیت آتی ہے۔ کہ علم میں اخلاص و تعلق مع اللہ سے نورانیت آتی ہے۔ عمل اس علم کی حفاظت کرتا ہے۔ اور یکیمانہ و مخلصانہ دعوت علم میں رسوخ، پختگی اور عمق پیدا کرتی اور عمل کی محرک بنتی ہے۔

الہی علم و یقین، سہم عمل، دائمی دعوت کے نور ہی سے کاشانہٴ اسلام کی روشنی ہے۔ اخلاص و عظمت الہی کے استحضار کے ساتھ جس قدر امت ان اعمال میں مشغول رہے گی۔ رضائے الہی اور دائمی فوز و کامرانی سے ہم کنار رہے گی اور جس قدر ایمان و یقین، علم و عمل، عمومی دعوت اور باہمی تدبیر و تواضع سے کنارہ کرتی جاؤ گی۔ نقصان و خسارہ میں مبتلا ہو جائے گی۔ سورہ ”العصر“ اسی حقیقت کی قرآنی شہادت اور اقوام و ملل کی الہی سرنوشت ہے۔ جس پر پوری انسانی تاریخ گواہ و شاہد ہے۔

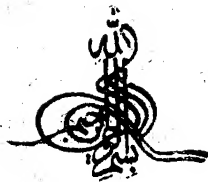
امت محمدیہ مرہومہ کے مختلف طبقات و گروہ جہ ملت کے اعضاء و جوارح کی حثیت رکھتے ہیں، جن کی زندگی اوامر الہیہ کے علم و عمل پر موقوف ہے۔ ملت کی شریانوں میں جب تک تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا صالح خون دوڑتا رہے گا، اس کے اعضاء و جوارح اسلام کے حیات آفریں پیام سے زندگی اور توانائی پاتے رہیں گے۔ اور جس قدر حیات و قوت کے ان الہی سرچشموں سے مختلف طبقات کا تعلق کم ہوتا جائے گا، ملت پر اضحلال چھانا جائے گا، ملت جملہ طبقات و افراد سے عبارت ہے۔ جن میں سے کسی طبقے کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے امت مسلمہ میں نئی زندگی پیدا کرنے کے لئے جملہ طبقات امت کو نبوی تعلیمات سے آشنا کرنا ہے۔ علی زندگی کی راہیں کشادہ اور قرآن و سنت کی سبیل و کوثر سے ہر کہ دمہ کو حرب استعداد سیراب کرنا ہے۔ ایمان و یقین، علم و عمل، ذکر و خشیت، احسان و اخلاص، اخلاق و خوبی، معاملات اور حسن معاشرت کی عام فضائل قائم کرتی ہیں۔ اور یہ اسی صورت ممکن ہے کہ الہی اعتماد و توکل، ہمت و عزیمت سے کام لیتے ہوئے ملت اسلامیہ کے جملہ طبقات کو علم و عمل، ذکر و دعوت کی راہ پر ڈال دیا جائے جس سے پہلے بھی امت پر بہار آئی تھی، اور ختم نبوت کی برکت سے آج بھی آسکتی ہے۔

پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جادوئی تعلیمات ہر زمان و مکان، ملت و قوم کیلئے نجات و کامرانی، فوز و فلاح کا آخری الہی نوشتہ

ہے۔ جس سے امتِ محمدیہ کی زندگی قائم اور اس کا فروغ وابستہ  
 ہے۔ امت آج ان قدسی ستونوں سے سیراب ہو کر الہی زندگی  
 سے سرشار ہو سکتی ہے۔ اور ہلاکت سے ہیکار سسکتی انسانیت  
 کو دائمی چین، امن و سکون، اور نبوی پاک و مطہر زندگی کا پیام دے  
 کر عالم کی نجات دہندہ بن سکتی ہے۔

بیاتا گل برفشانیم در ساغر اندازیم  
 فلک را سقف بشکافیم و طرح نو در اندازیم  
 اگر غم لشکر انگیزد کہ خونِ عاشقان ریزد  
 من و ساتی بہم سازیم و بنیادش بر اندازیم





# اکرامِ مسلم

اسلام ایک بر رحمت تھا جو دنیٰ الٰہی سے اٹھا اور جس جگہ برسا اپنی فیض گسترشوں سے  
 اسے جنت کا نور بنا گیا، اس نے عالم کو ایک عالمگیر اخوت و برادری کا درس دیا، .....  
 انسانی عدل، باہمی تنگدستی اور جن سلوک کا سبق پڑھایا، اس نے یر و ستوں کی دستگیری کی، بے کسوں اور بے  
 چاروں کی چارہ گمری کی کمزوروں کو توانائی اور غلاموں کو آزادی بخشی اور دنیا کو ایک ایسے معاشرے کی تشکیل  
 کی دعوت دی، جہاں رنگ و نسل، مزیوم اور قوم و وطن کی خور ساختہ انسانی پابندیاں ٹوٹ کر رہ جائیں، جہاں  
 دولت و ثروت طاقت و جاہ کی باہمی رقابت و منافقت اور طبقاتی عناد و کشاکش کا وجود نہ ہو اور تمام اولادِ آدم  
 ایک اہی شرتہ میں منسلک ہو کر باہم بھائی بھائی بن جائے، اور جہاں عزت و فضیلت کا مدار نسل و وطن اور  
 دولت و ثروت کے بجائے نیکی اور پرہیزگاری ہو جائے اسلام کے اس حیات بخش پیغام اور انقلاب



آخرین دعوت کو صحیفہ اسلام نے ان جامع الفاظ میں پیش فرمایا ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (الحجرات - ۲)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں زیادہ باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ بیشک اللہ بہت جاننے والا اور باخبر ہے۔

قرآن نے یہ اعلان کر کے کہ نسلی و خاندانی تقسیم صرف تعاریف کے لئے ہے، عزت و ذلت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ عزت و ذلت کے جاہلی پیمانہ کو توڑ دیا اس کے برعکس ایمان اور عمل صالح کو عزت و ذلت کا مدد قرار دیا اگر مومن و متقی ہے۔ تو خواہ کسی خاندان اور کسی قوم سے ہو وہ قابل اکرام اور واجب الاحترام ہے، اور اگر ایمان و تقویٰ سے خالی ہے تو خواہ کوئی بھی ہو اللہ کی نظر میں ذلیل و حقیر ہے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مذکور کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ:-

ان الله قد اذهب عنكم عبية الجاهلية و فخرها بالا باء انما مومن تقى او فاجر شقى الناس كلهم من آدم وادم من تواب

اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آباد و اجاد پر فخر کرنے (کی جاہلی رسم) دور کر دی ہے اب (آدموں کی اصل تقسیم مومن و فاجر ہے کہ) یا مومن ہو یا کافر یا فاجر یا مکرر (نسل و نسب پر غور نہ کرو کی سوال ہی نہیں کیونکہ) تمام لوگ آدم کی نسل ہیں اور آدم کی اصل میں ہے۔

(مشکوٰۃ ص ۱۸۵ بحوالہ ترمذی و ابوداؤد)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک طویل روایت جو اس موقع پر بعض مفسرین نے نقل کی ہے۔ اس کے آخری الفاظ یہ ہیں :-

قال احمد لله الذي اذهب  
عنكم عبية الجاهلية وتكبرها  
يا ايها الناس ان الناس رجلان  
بترقى كريمة على الله وفاجر  
شقى هين على الله ثم  
قال يا ايها الناس انا  
خلقكم من ذكواتى  
(معالم التنزيل ص ۱۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس  
اللہ کا شکر ہے جس نے تم سے جاہلیت  
کی نفث اور تکبر دور کر دیا۔ اے لوگو!  
اب لوگ دو قسم کے ہوں گے یا نیک ستھ  
جو اللہ کے نزدیک معزز ہوگا۔ یا بدکار  
شقی جو اللہ کے نزدیک ذلیل ہوگا  
پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ۔

يا ايها الناس انا خلقكم  
من ذكواتى (دخازن زیر آیت مذکورہ)

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نسلی تفوق، قومی تفاخر اور عصبی غرور  
کے تار و پود کو اس بیغ انہ از سے بکھر کر رکھ دیا ہے :-

لا فضل لعربي على عجمي ولا  
لاحمر على اسود كلهم ابنا  
آدم و آدم من تواب  
نہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت ہے اور  
نہ گورے کو کالے پر۔ سب آدم کے  
بیٹے ہیں۔ اور آدم مٹا سے پیدا کیے  
گئے تھے۔

غرض اسلام نے اس طرح اور بیخ و بنج اور شرافت و ذالت کے سارے خود ساختہ  
پیمانے توڑ کر پانے ماننے والوں کو ایک صف میں کھڑا کر دیا اور پھر انہیں ایمان کی بنیاد پر ایک  
عالمگیر بھائی چارہ قائم کرنے کا درس دیا  
اِنَّ الْمُؤْمِنِينَ (اخوة) (۱۰)

مسلمان تو سب آپس میں بھائی ہیں

یہ بھائی چارہ سبھی بھائی چارہ سے بڑھ کر ہے۔ کہ کافر و مسلم سب بھائی ایک دوسرے کی میراث نہیں پاسکتے بلکہ ایک مسلمان جس کا نسب بھائی کافر ہو اگر مر جائے تو اس کے وارث مسلمان ہوں گے۔ نسب تعلق ایک مادی رشتہ ہے جو فانی ہے لیکن اسلام کا روحانی تعلق ایک لازوال حقیقت ہے۔ اسی لئے اسلامی اخوت کے ایک مثال کے لئے کہا ہے۔ ۹

ابی الاسلام لا اب لی سواہ اذا افتخروا بقیس او تمیم  
ترجمہ ! میرا باپ اسلام ہے۔ اور اس کے سوا میرا کوئی باپ نہیں۔ جب کہ  
لوگ قیس و تمیم کے قبیلوں میں سے ہونے پر فخر کریں (یعنی میرے لیے کسی قبیلے سے  
ہونا فخر نہیں بلکہ مسلمان ہونا فخر ہے)

پس جو شخص بھی اس رشتہ میں منسلک ہو گیا وہ پوری ملت اسلامیہ کا بھائی ہی گیا۔ اور وہ  
سارے حقوق اسے حاصل ہو گئے جو ایک بھائی کے دوسرے بھائیوں پر ہوتے ہیں۔  
ارشاد ہوا ہے :-

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوْا الصَّلٰوةَ  
وَاَتَوْا الزَّكٰوةَ فَاَخُوْا  
مَنْكُمْ فِي الدِّيْنِ ط  
سو اگر یہ لوگ (گھر سے) توبہ کریں،  
نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے  
لگیں۔ تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

(التوبہ - ۲)

اسلامی اخوت کے اس شجرہ طیبہ کی حفاظت اور ثرو نہا کے لیے اس شخص سے صلہ اللہ

علیہ وسلم نے بڑی اہم اور پیہم ہدایتیں دی ہیں  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و  
سلمہ قال ایاکم والظن فان  
الظن اکذب الحدیث ولا  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
بدگمانی سے بچو کہ بدگمانی سب سے  
بڑا جھوٹ ہے ایک دوسرے کے

تَحْسُوا وَلَا تَحْسَبُوا وَلَا تَتَّبِعُوا

جَسُوا وَلَا تَحْسَدُوا وَلَا تَبَا

غَضُوا وَلَا تَدَابُرُوا وَلَا كُونُوا

عِبَادَ اللَّهِ (خَوَافًا)

(صحیح بخاری باب قولہ یا ایہا الذین امنوا

اجتنبوا کثیر من النکاح الایۃ ص ۸۹۶

جلد دوم)

عیب نہ ڈھونڈو اور ایک دوسرے

کے عیبوں میں بحث نہ کرو، ایک دوسرے

کا عیب کی چیز کی قیمت (خواہ خواہ قیمت

بڑھوانے کے لیے) نہ بٹھاؤ ایک دوسرے

سے حسد نہ کرو ایک دوسرے سے کہنے

نہ رکھو۔ اور نہ ایک دوسرے سے

منہ پھیرو۔ اور اسے خدا کے بند

اُپس میں بھائی بھائی بن جاؤ

ایک دوسری روایت میں امام مسلمؒ نے اس حدیث میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔

المسلم انہو المسلم لا یظلمہ

ولا ینغذله ولا یحقرہ التقویٰ

ھمتا و لیشی الی صدرہ

ثلاث مرات بحسب امر

من الشران یحقر اخاء المسلم

کل المسلم علی المسلم حرام

دمہ و مالہ و عرضہ

(صحیح مسلم باب تحریم ظلم المسلم ص ۳۱۱)

جلد دوم)

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا۔

وہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ تو وہ نہ اس پر ظلم کرے گا اور نہ اس کو اس کے

دشمن کے والے کرے۔ جو کوئی اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں رہے گا، خدا

اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ اور جو کوئی مسلمان کئی تنگی سے گزرے، خدا اس کے بدلہ میں اس کی تنگی دور فرمائے گا۔ اور جو کبھی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا پردہ رکھے گا۔

(سنن ابی داؤد کتاب الادب)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: —  
قال من رد عن عرض اخيه رسول الله صلى الله عليه وسلم فريأ جس رد اللہ عن وجهه النار يوم القيمة  
نے اپنے مسلمان بھائی کی آبروریزی کی اللہ قیامت کے دن اس کے چہرے کو آگ

(ترمذی باب ما دنی الذین عن المسلم) سے بچائے گا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: —  
المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده  
مسلمان وہ ہے جس کے لسان اور زبان کے ضرر سے دوسرے مسلمان بچے رہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان ص ۱۷۱)

مسلمانوں کی عزت و عظمت امدان کے جان و مال کی ایک دوسرے پر حرمت نبوت کے برابر عام (حجۃ الوداع) میں نہایت ہی بلیغ اور مؤثر انداز میں ذہن نشین کرائی گئی چنانچہ نبیؐ کے مقام پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد ہوا: —

اتذرون ای یوم هذا قالوا  
اللہ ورسولہ اعلم قال فان  
هذا یوم حرام قال اتذرون  
ای بلد هذا قالوا اللہ ورسولہ  
اعلم قال بلد حرام قال  
جانتے ہو یہ کون سا دن ہے لوگوں نے  
عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں  
فرمایا یہ حرمت والا دن ہے (پھر) فرمایا کہ تم  
جانتے ہو یہ کون سا شہر ہے لوگوں نے  
جواب دیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے

اتدرون ای شہر هذا قالوا  
 اللہ رسولہ اعلم قال شہر حرام  
 قال فان اللہ حرم علیکم ہذا  
 واما لکم واعراضکم  
 کحصة یومکم هذا فی  
 شہرکم هذا فی بلدکم  
 هذا .  
 (صحیح بخاری ص ۸۹۲ جلد دوم)

و اے ہیں فرمایا یہ حرمت والا شہر (بلعراق)  
 ہے، پھر لو چاہتے ہو یہ کون سا مہینہ  
 ہے۔ گوگوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر  
 جانتے ہیں۔ فرمایا یہ حرمت والا مہینہ  
 (ماہ حرام) ہے پھر جب دن، مقام  
 اور مہینہ کی غفلت و حرمت گوگوں کے اچھی  
 طرح ذہن نشین ہو گئی۔ تو فرمایا اللہ نے تم  
 پر تمہارے خون، مال اور آبرو میں اس  
 حرمت والے شہر میں اس حرمت والے مہینہ میں اس  
 حرمت والے دن کی طرح  
 حرام کر دی ہیں۔

مسلمان کی قدر و منزلت اور اللہ کی نظر میں اس کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حرمت  
 ظاہر ہونے کے لئے آپ نے ایک دن یہ پُر اثر آیت فرمایا کہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما  
 کہتے ہیں :-

مریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و  
 سلم یعطوف بالکعبة ویقول  
 ما اظہبک واطیب ربیحک و  
 اعظم حرمتک والذی نفس  
 محمد بیدہ لحمة الطویں  
 اعظم عند اللہ حرمة منک  
 مالم ودمہ وان نظن بہ  
 الاخیر .

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو  
 دیکھا کہ کعبہ کا طواف فرماتے ہوئے  
 فرما رہے ہیں۔ تو کتنا پاک ہے اور  
 تیری ہر اکٹھی پاک ہے اور کتنی عالی تیری  
 عزت ہے لیکن قسم ہے اُس ذات کی جس کے  
 قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے  
 میں اور اس کے جان و مال کی حرمت  
 اللہ کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ ہے۔

(ابن ماجہ باب جریدۃ المؤمنین و ما لم یصل)  
اور اس کے متعلق نیک گمان ہیں کہا  
جاسکتا ہے ۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا ۔  
المومن احکم علی اللہ عزوجل  
من الملائکۃ  
مومن اللہ کے نزدیک فرشتوں سے  
بھی زیادہ شرف والا ہے ۔

(ابن ماجہ باب المسلمون فی ذمتہ اللہ عزوجل)  
مسلمان کا بھی شرف اور اس کی بھی فضیلت تھی جس کے متعلق قرآن کریم نے گواہی دی ۔  
وَاللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْوَسُوْلُ و  
اود عزت تو اللہ کے لئے ہے اور  
اس کے رسول کے لئے اور ایمان والوں  
(مناہون ۱ - ا) کے لئے ۔

پس جب اللہ تبارک و تعالیٰ کی نظر میں مومن کی اتنی قدر و منزلت ہے تو اہل ایمان پر بھی  
لازم ہے کہ آپس میں حبیبہ مرتبہ عزت و توقیر اور شفقت و محبت کا معاملہ کریں ۔ یہ اہل ایمان کا ایک  
دوسرے پر بنیادی حق ہے ۔ اور جو شخص ایسا ہی برادری کے اس حق کی رعایت نہیں کرتا ۔ وہ فی الحقیقت  
اس قابل نہیں ہے کہ اس برادری کا رکن رہے  
چنانچہ ارشاد نبوی ہے

لیس منا من لم یرحم صغیرنا  
و لم یوقر کبیرنا  
جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور  
ہماری بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے  
نہیں ہے ۔

(ترمذی باب ما جاء فی ذمتہ الصبیان ص ۱۱)  
اور اسی بنا پر مسلمان کو گناہ دینا گناہ اور اس کا قتل کفر کے مترادف قرار دیا گیا ۔ صحاح کی مشہور  
روایت ہے ۔

سبب المؤمن فوق وقالہ کفر  
مسلمان کو گناہ دینا خدا کا نافرمانی اور

(بخاری باب ما یمنی عن الباب والین و ابن بلہ اس سے لڑنا (مقابلہ) کفر  
۲۹۱ ص)

ایک دوسری حدیث میں مومن پر لعنت بھیجا اس کے قتل کے برابر قرار دیا گیا ہے۔  
بخاری کی روایت ہے :-

ومن لعن موئنا فهو مقتلہ و مومن پر لعنت بھیجا گویا اس کا قتل  
من قذف موئنا بکفر فهو کذابہ . اور مسلمان پر کفر کی تہمت  
لگانا بھی دگویا اس کا قتل کرنا ہے

(بخاری ص ۸۸۲ ج دوم)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے فرمایا :-

لا ترجعوا بعدی کفاراً و یکویرے بد کافر نہ ہو جانا کہ  
یضرب بعضکم رقاب بعض ایک دوسرے کا گردن مارنے  
لگو۔ (بخاری باب اللغات للعلماء)

ایک دوسری حدیث میں ہے :-

من حمل علینا السلاح فلیس منا - (مسلم ص ۶۹)  
جو ہم (مسلمانوں) پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(بخاری ص ۱۰۴ جلد دوم)

اس بارے میں اس قدر تاکید کی گئی ہے کہ اگر عین میدان جنگ میں کوئی کافر صرف  
کلمہ پڑھ لے تو اسے قتل کرنا حرام ہے چنانچہ حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھینڈے کے عرقہ نامی قبیلہ کی طرف (جہاد کے لئے) بھیجا۔ ہم  
نے ان پر چھاپا مارا اور انہیں شکست دی (اسامہ کہتے ہیں کہ) اس دوران میں، میں اور میرے  
ایک انصاری ساتھی اسی قبیلہ کے ایک شخص کے قریب پہنچے۔ اور جب ہم نے اسے



( قتل کرنے کے لیے ) گھیر لیا تو وہ لا الہ الا اللہ پکارا اٹھا اس پر میرے انصاری ساتھی نے تو اسے چھوڑ دیا اور میں نے اسے اپنے نیزے سے وار کر کے قتل کر دیا۔ جب ہم مدینہ واپس پہنچے اور اس قصہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا۔ اے اسامہ تم نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ .... اس نے جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا تم نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا، اور اس جگہ کو انفس اور رنج سے اتنی بادہ ہرایا کہ (اسامہ کہتے ہیں) میں تمنا کرنے لگا کہ کاش اس دن سے پہلے میں لہان نہ لایا ہوتا (یعنی یہ گناہ مجھ سے اسلام لانے سے قبل صادر ہوتا) کہ اسلام لانے سے یہ دھل جاتا۔

( بخاری کتاب الدیات جلد دوم ص ۱۸ )

اس قصہ کے ضمن میں صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسامہؓ کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کیا رسول اللہؐ اس نے اسلحہ کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا۔ تو آپ نے (نہایت مبالغہ آزار میں) فرمایا :-

افلا شققت عن قلبہ  
صحیح مسلم ص ۶۸  
تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا ہوتا  
کہ وہ حقیقت میں ایمان لا کر کلمہ پڑھا تھا  
یا جان بچانے کے لیے پڑھا رہا تھا۔ مگر یہ تمہیں کر دل کا حال اللہ کو معلوم ہے تمہیں  
چاہیے تھا کہ نبیؐ اقرار پر آمنا کرتے

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کیے گئے ہیں (کہ آپؐ فرمایا)

فکیف تضمن بلا الہ الا اللہ اذا  
جاءت یوہر القیامۃ۔  
قیامت کے دن جب تمہارے سامنے  
اس لا الہ الا اللہ آئے گا تب تم کیا  
کرو گے ! (یعنی اس وقت تمہارا پاس کیا  
( صحیح مسلم ص ۶۸ )

جواب ہو گا

ان روایتوں کے نقل کرنے سے دکھانا مقصود ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک لا الہ الا اللہ پڑھ لینے کا کتنا وزن ہے (جو کہ اسلامی برادری میں شرکت کا ابتدائی نشان ہے) اگر کوئی غیر مسلم حالت جنگ میں بھی جب کہ اس کی صداقت مشکوک ہوتی ہے، اس نشان کو ظاہر کر دے تو اس کی جان و مال و عزت و آبرو محترم ہو جاتی ہے۔ پس جب ایسے شخص کے معاملہ میں بھی یہ حکم ہے تو جن لوگوں کے متعلق کوئی شک بھی نہ ہو اور ان میں ایمان کی دوسری علامتیں بھی موجود ہوں ان کی حرمت ظاہر ہے کہ کس درجہ کی ہوگی۔ اور ان کے حقوق ایک مسلمان پر وہ کیونکر نہ ہوں گے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔

قرآن کریم نے بھی انھوں کے ان حقوق کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے:-

ارشاد پر تو ہے :-

مسلمان تو سب بھائی ہیں سواپنے	إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا
دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا	بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ
کہو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔	لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
تاکہ تم پر رحمت کا جائے۔ آ ایمان والو	آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِنْ
نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیے کیا	قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا
عجب ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ ان	وَمِنْهُمْ وَلَا يَسْأَرُهُ مِنْ نَسَاءٍ
ہنسنے والوں) سے (خدا کے تعویک) بہتر	عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُمْ ج
ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر	وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا
ہنسنا چاہیے۔ کیا عجیب کہ وہ ان (ہنسنے	تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بَلِّسَ
والیوں) سے بہتر ہوں۔ اور نہ ایک دوسرے	الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ
کو طعن دو۔ اور نہ ایک دوسرے کو برے	وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ
القاب سے پکارو کہ ایمان لانے کے بعد	هُمْ الظَّالِمُونَ ه

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا  
كَثِيرًا مِمَّنْ انْطَرَبَتْ إِلَيْكُمْ  
بَعْضُ النِّظَرِ إِثْمٌ وَلَا  
تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم  
بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ  
أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ  
مِمَّا فَكَرَهُتُمْوهُ ۖ وَتَقَوُا  
اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ  
رَحِيمٌ -

(انجرات ۲-۱)

گناہ کا نام لگنا (ہی) برا ہے اور جو  
(ان حرکتوں سے) باز نہ آویں تو وہ علم  
کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو! کثرت  
سے عموماً بچا کرو۔ کیونکہ بعضے گناہ گناہ  
بہتے ہیں۔ اور توہمت لگایا کرو۔  
اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا  
تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا  
ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت  
کھائے پس تم کو اس سے گھن آئے۔ اور  
اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ

بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

انحراف و مجرت کی یہی تعلیم تھی جس نے ایک دوسرے کے خون کے پیالے سے ہندوں  
کو باہم علیحدہ کر دیا۔ جاہلی عصیت کے بت کو توڑ کر قرشی نسل فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تہیان  
سے حبشی نسل سابق غلام بلال رضی اللہ عنہ کو "آقا" کہلایا (مخاتیب بلال ۴۸)  
(بخاری ص ۵۲۱)

مرز و بوم نسل و وطن، قوم و تمدن کی انسانی حد بندیوں کو مٹا کر سکے جھپیہ روحی  
مسلمان فاروقی، بلال حبشی اور ابوسفیان قرشی کو لا الہ الا اللہ کی اسلامی بلوری کی ایک  
صف میں کھڑا کر دیا۔ اور پھر اس صف میں رخصت ڈال سکے والی ہر چیز کا راستہ یہ کہہ کر بند کر دیا گیا  
کہ:-

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُحِبَّ  
لَاخِيَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

تم میں سے اس وقت تک کوئی  
کامل عین نہیں ہو سکتا جب تک جو

(بخاری باب من الایمان ان یحب لآخره)  
 (خیر) اپنے لیے پسند کرتا ہے وہ اپنے  
 مایحیبالنفسہ  
 بھائی مسلمان کے لئے بھی پسند نہ کرے۔

ایک طرف کمال ایمان حاصل کرنے کا وہ شوق تھا جو اللہ و رسول کے پیہم ارشادات سے  
 بھرا جارہا تھا۔ اور دوسری طرف انہوت کے اس اتہائی تقاضے کی تکمیل کو کمال ایمان کیسے موقوف علیہ  
 قرار دیدیا گیا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمانوں کا باہمی تعلق جسد واحد کے مختلف اعضاء کے باہمی تعلق کی طرح ہو گیا  
 کہ ایک کی خوشی سب کی خوشی اور ایک کا غم سب کا غم۔  
 چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

توی المؤمنین فی قلوبہم  
 ولادہم وتماظفہم کمثل  
 الجسد اذا اشتکی عضو تداعی  
 لہ سائر جسده بالسهر و  
 الحقی  
 مسلمانوں کو تم ایک دوسرے پر رحم کرنے  
 آپس میں محبت کرنے اور شفقت کرنے میں  
 جسم انسان کا طرح پاؤ گے۔ کہ ایک عضو میں  
 بھی تکلیف ہو تو بدن کے سائر اعضاء و بخوابی  
 و حرارت میں اس کے شریک ہو جاتے ہیں۔

(بخاری باب رتہ اناس و ابہا ہم ص ۹۹)

ایک دوسری روایت میں ہے :-

المسلمون کوجمل واحد وان  
 اشتکی عینہ اشتکی کلمہ  
 وان اشتکی رأسہ اشتکی  
 کلمہ  
 سارے مسلمان ایک شخص کی طرح ہیں کہ اگر  
 اس کی آنکھ و کھٹور یا بدن تکلیف محسوس  
 کرتا ہے اور اگر سر میں درد ہو تو تمام جسم اس  
 درد سے متاثر ہو جاتا ہے۔

(صحیح مسلم باب تراجم المؤمنین و تماظفہم و

تقاضہم ص ۳۲)

مسلمانی غم دل و رخسار میں  
 چوں سیماں از تپ یا زل تپیدن

حضور ملت از خود در گذشتن در گریبانگ انا املت کشیدن

اقبال

قصر ملت کی تمام تر مضبوطی جب اسلامی کی تمام قوت اور ملت کے طالب کی قلمی اسی اخوت و محبت اور الفت و تراحم کی وجہ سے ہے جس کا مرکز و منبع الہی تعلق اور اسلام پر تعلق ہے جو تمام ملت اسلامیہ کو ایک ٹری میں پرہیزگار اور ملت مرحومہ کے مختلف افراد کی شیرازہ بند کی کرتا ہے۔ اسی کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ  
حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَوَفَّقُوا  
وَأَنْتُمْ مَسْلُومُونَ وَاعْتَصِمُوا  
بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا  
وَأَذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ  
إِذَا كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ  
قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ  
إِخْوَانًا

اے مسلمانو! خدا سے ڈرو، جیسا کہ اسی سے  
ڈرنے کا حق ہے اور نہ تم مرد لیکن مصلحت  
اور خدا کی رسی سبب کی مضبوطی سے پکڑے  
رہو۔ اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاؤ۔ اور یاد  
کرد اپنے اور اللہ کے احسان کو کہ تم باہم  
دشمن تھے۔ مگر اللہ نے تمہارے دلوں کو  
جوڑ دیا اور تم بھائی بھائی ہو  
گئے۔

(آل عمران — ۱۰۱)

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا ہی وہ چیز ہے جو امت اسلامیہ کے مختلف افراد اور مختلف طبقات میں اخوت و محبت اور الفت و تراحم کا رشتہ پیدا کرتی ہے۔ اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو پھر کس قیمت پر نہ یہ رشتہ برقرار رہ سکتا ہے اور نہ پیدا ہو سکتا ہے۔ شاید اسی لئے قرآن نے کہا ہے۔

وَلَوْ لَا نَفَقَتْ مَانِي الْأَرْضِ  
جَمِيعًا مَا الْفَتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ  
وَلَكِنَّ اللَّهَ يَبْدِئُ مَا يَشَاءُ

اگر تو زمین میں جو کچھ ہے وہ سب  
بھی خراج کر دیتا تب بھی ان کے دلوں  
کو ملا نہ سکتا۔ لیکن خدا نے چاہا ہے۔

(انفال — ۸)

ہے

چنانچہ یہ سے مسلمانوں نے دین کا رشتی کو ڈھیلہ چھوڑ لیا ہے۔ ان کا اتھامی شیرازہ بکھر کر رہ گیا۔ وہ آیت جس کے افراد بھی الفت و محبت کے ایک تار میں منسلک تھے۔ و احسرتا کہ آج اس کے افراد اور مختلف گروہ و قلوب ہمد شستی کا سماں پیش کر رہے۔ اپنے کو اچھا اور دوسرے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھنا عام رواج بن کر امت کے اتحاد و اتفاق کو پرگانہ کر چکا ہے۔ حالانکہ اسلام کی تعلیم یہ تھی کہ خود پسندی و خود بینی اور اپنے بھائی کی عیب چینی رہ نہیں کر معیار بلندی و برتری تقویٰ ہے۔ اور کئے معلوم کذات الہی کے نزدیک کون زیادہ متقی ہوا ارشاد ربانی ہے :-

قُلْ تَزَكُّوْا اَفَسُكْمُ ھُوَ  
اعلم بمن اتقى ۔  
مسو (بہت) اپنا پار سائل نہ جلا کر وہ  
ہی خوب جانتا ہے کہ کون متقی ہے ۔

(نجم — ۲)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

بِحَبِّ اَمْرِیْ مِنَ الشَّرِّ اَنْ  
يَحْتَقِرَ اِخَاہُ الْمُسْلِمُ  
انسان کے لیے یہ برائی کافی ہے کہ اپنے  
مسلمان بھائی کی حقیر کرے ۔

صحیح مسلم ص ۳۱۴

اور اس میں ہر مسلمان (خواہ وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو) شامل ہے کہ لا الہ الا اللہ کے اقرار کے بعد وہ اسلام کے دائرے میں داخل ہو چکا۔ اور نہ معلوم اس کلمہ کی کون سی نورانیت اس کے قلب میں موجود ہو جس کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک ہم سے زیادہ محبوب ہو۔ کہ پروردگار عالم کی نگاہیں قلوب کو دیکھتی ہیں۔ اور ہم کسی کا پہلو چیر کر اس کی قلبی حالت کا جائزہ نہیں لے سکتے۔

اس لئے ہمیں چاہئے کہ صرف کلمہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہونے کی بنا پر ہر مسلمان بھائی کی

عزت کریں۔ اور اگر اس میں کوئی عیب یا برائی ہو تو اس برائی اور گناہ کو بُرا جانیں۔ لیکن گنہگار کی ذات سے نفرت نہ کریں کہ ہمیں بیماری سے نفرت کرنی چاہیے، لیکن بیمار کے ساتھ شفقت کا سلوک کرنا چاہیے۔ اسی طرح ہمارے بوجھائی گناہوں کی بیماریوں میں پھنس گئے ہیں محبت و الفت اور اُلفت و رحمت کے جذبے سے حکیمانہ اور شفقانہ انداز میں ان کی برائیاں دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

ان احدکم مولاۃ (خیمہ)  
 فان راى به اذى فليمطه  
 عنه  
 (ترمذی باب ماجاء فی شفقتہ المسلم  
 علی المسلم  
 بے شک تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی  
 کا آئینہ ہے اگر اس میں کوئی عیب دیکھے  
 تو عدد کردہ درجن حرم آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھتے  
 ہوا اگر کوئی چیز بری لگے تو معلوم ہو تو ہم اسے  
 دور کرتے ہیں اسی طرح اپنے بھائی مسلم

کا عیب بھی دور کرنے کا کوشش کرنا چاہیے۔

یہی طریقہ ہے جس کی ذریعہ عالمگیر سلامی اخوت کا ٹولہ ہوا اثر نہ ہوڑا جاسکتا ہے اور انتشار و پرگندگی کی موجودہ کیفیت کو دور کیا جاسکتا۔ ورنہ باہمی بدفہمی و عیب چینی اور تبدیل و تحقیر کا موجودہ سلسلہ قائم رکھ کر اخوت و یکجہتی کا پھل حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ بخاری کی وہ روایت جس میں فرمایا گیا ہے۔

و بدگمانی سے بچو کہ بڑگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے نہ لوگوں  
 کے عیوب کی ٹوہ لگاؤ نہ باہم حسد کرو، نہ ایک دوسرے سے بے تعلق رہو  
 نہ باہم بغض رکھو۔ بلکہ لمے اللہ کے بندوں! بھائی بھائی ہو جاؤ۔

(بخاری باب ما فیہ من اتحاسد والتدابیر ص ۹۶)

اس کی شرح میں ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں :-

كانه قال اذا توكتم هذه  
 گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

المنہیات کستم اخوانا ومفہومہ  
 اذالم تترکوها لتصیروا اعداء  
 ومعنی کونوا اعداء اکتسبوا  
 ما لتصیرون بہ (خوانا صما  
 سبق ذکرہ وغیر ذالک  
 من الامور المقتضیۃ  
 لذلک نفیاً واثباتاً۔  
 جن کا ذکر اوپر گذرا اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے امور ہیں۔ جو اخوت کو نفیاً یا اثباتاً  
 پیدا کرتے ہیں :-





# اخلاصِ نیت

اسلام جس پاکیزہ زندگی کی راہیں انسانیت پر کھولنے کیلئے آیا ہے اس کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ ہمارے اعمال و افعال گفتار و کردار، قلب و نظر اور روح و جسم کی جملہ حرکات و سکنات، خود غرضی و خود نمائی، عجب و دیریا، اور کبر و ناز کی کٹاوتوں سے پاک ہوں اور ہماری ہر ہر حرکت کا مقصد وہ ذات جمیل بن جائے جس کی رضا کوین کا حاصل اور جس کی محبت حضرت انسان کیلئے سرمایہ افتخار ہے جس کے سامنے کائنات کا وجود عدم مخلوق کی حقیقت گم، ذی ارادوں کے ارادے ختم اور حساب و منطق گنگ ہیں، اسی قریب کے وجود سے کائنات کی ہستی قائم، اس کے ہنگامے آباد اور اس کی مجلس پر رونق ہیں کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی محبت میں سرگردان ہے کہ اس جمیل مطلق کے سوا کوئی قابل التفات نہیں، اور انسان کا تنہا ہے کمال بھی یہی ہے کہ مرتبہ کمال کی محبت میں مست اور اسی کے جمال میں محو ہو کر رہ جائے، نہ نگاہوں میں اس کے سوا کوئی سمائے اور نہ قلب کی گہرائیوں میں کوئی اور بارگاہ۔ وہ محیط بے کلاں اس کے روح و جسم پر اس طرح چھا چکا ہو کہ اس کی ہر ادا اس فاعل حقیقی کے اشاروں کا عکس اور اس کا ہر عمل اسی کا پرتو ہے۔ کلام کی حقیقت یہی ہے کہ اپنے کو قلباً

جداً تشریفاً دیکھو! اسی ایک کے سپرد کر دیا جائے۔

عاشقِ چیت! بگو بندہ جاناں بوردن

دل بدست و گم سے دودن و حیران بوردن!

اور شاید اسی رزقِ طرف حضرت خلیل علیہ السلام کے بھی یہ الفاظ اشارہ کر رہے ہیں۔

(ابراہیم علیہ السلام نے کہا) میں فرمانبردار ہوا

قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ

عالموں کے پروردگار کا۔

(المعقودہ - ۶)

کیونکہ اسلام توفیقِ تسلیم کا مترادف ہے کہ اپنے کو اسی ایک کے حوالے کر دیا جائے  
تیکوئیٹا اس کی رضا پر رضی اور تشریف اس کے ولہ و احکام کی پابندی اختیار کی جاوے اور تمام عمر  
انقیاد و تسلیم کی مخلصانہ جدوجہد کے وظیفے میں گزر جائے کہ زندگی و جان خلق و امر و دلوں  
محاذ سے اس جانِ بخشنے والے خالق و آمر کی ملک ہے اور بندہ کا انتہائے کمال  
یہ ہے کہ دینے والے آقا کیسے خود کو مٹا دے کہ اس ٹٹنے کا نتیجہ ابھرنے والے اس  
فنا کا حاصل بچا ہے۔

اُس کے راکھ تھیں شاہِ کشد سوئے تخت و بہتری جلئے کشد

اسی لئے سرورِ عالم، خیر الانبیاء سید ولد آدم علیہ السلام کی رہنمائی اس تمام مخلوق کی  
طرف ان الفاظ میں کرائی گئی

قُلْ اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ  
رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهٗ ۚ وَبِذَٰلِكَ  
اُمِرْتُ ۚ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝

تو کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنّا اللہ ہی  
کے لئے ہے۔ جو پالنے والا ہے۔ صاف جہان کا کوئی

مہیں اس کا شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا۔ اور میں سب سے

پہلے فرمانبردار ہوں (ترجمہ شیخ التہجد) (الانعام - ۲۰)

توحید و تفویض کا یہ مقام بلند ہمارے آقا محمد رسول اللہ علیہ وسلم کو روزِ ازل سے ہی لئے رحمت فرمادیا گیا تھا کہ یہ حاصلِ نبیینِ زندگی اپنی نہ رہی تھی بلکہ اپنے کو ربِّ اعزّت کے کلمتاً پہن کر کے صفاتِ الہی کے کامل ترین رنگ (جو عالمِ امکان میں ممکن ہو سکتا تھا) میں نکھر چکی تھی۔ اور آپ کی مناجاتیں اسی چیز کی گواہی دے رہی تھیں۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَصْلُوْنِيْ وَنَسْكِ وَحَيَاتِيْ وَمَحَاتِيْ وَآلِيْكَ  
صَالِيْ وَآلِكَ رَبِّ تَوَلَّ

یا اللہ تیرے لئے ہی ہے میری نماز، اور میری عبادت اور میرا جنیا اور میرا  
مرنا اور تیری ہی طرف ہے میرا رجوع اور تیرا ہے جو کچھ میں چھوڑ جاؤں  
سکا۔

(دعا سے ماثورہ از قربات عند اللہ و صلوات الرسول امام متناغویؒ)

۲۴

وہ پاک ذات (صلی اللہ علیہ وسلم) الحاح و تضرع کے ساتھ اپنے آقا  
سے یہ دعائیں مانگتی تھی کہ مجھے میرے نفس کے لمحہ کیلئے بھی حوالے نہ کیا جائے کہ یہ تمام  
تفویض و فنا کے منافی ہے۔

چنانچہ نسائی و حاکم اور بزار حضرت انسؓ سے آپ کی یہ دعا نقل کرتے ہیں۔  
يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ اَصْلِمْنِيْ  
شَانِي كُلَّهُ وَلَا تَكِلْنِيْ اِلَى نَفْسِيْ طَوْفَةً  
عَتِيْقًا

اے زندہ ! اے تھانے والے۔ تیری رحمت کے واسطے سے تیری

طرف فریاد لاتا ہوں۔ اے اللہ میرے تمام احوال کو درست کر دے اور

مجھے میرے نفس کی طرف ایک لمحہ کیلئے بھی نہ چھوڑا !  
تفویض و سپردگی کے اس منظر کا اندازہ مقررینِ بارگاہِ قدوسیّت کے امام

ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اس دعا سے کچھ نہ کچھ ہو سکتا ہے جو  
ہر بات استراحت کے وقت زبان وحی والہام سے آ رہوتی تھی۔ امام بخاری و مسلم حضرت  
برادر بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت استراحت کیلئے اپنے  
فرشِ خواب پر شریف لاتے تھے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اللَّهُمَّ أَسَلْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِي  
إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ أَمَنْتُ بِطَهْرِي إِلَيْكَ  
رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مُجَانِمَ إِلَّا إِلَيْكَ  
أَمَنْتُ بِكَ يَا أَلْذَى أَنْزَلْتَ وَنَبِيَّكَ الَّذِي  
أَسَلْتُ (مشکوٰۃ ۹، ۱۰ باب ما يقول عند المصباح والمساء والناسم  
اے اللہ میں اپنے نفس کو تیرے حوالے کرتا ہوں اور اپنا چہرہ (ذات و  
قلب) کو تیری ہی طرف متوجہ کرتا ہوں اور اپنا معاملہ (تمام امور خارجہ و باطنی  
او کما قال العلیؑ) تیرے سپرد کرتا ہوں۔ اپنا پشت پناہ  
تجھے ہی بناتا ہوں۔ امید بھی تجھی سے ہے اور خوف بھی صرف تیرے  
سے ہے۔ کہ میرا امن کا ٹھکانہ اور تجھ سے میری جائے پناہ سوا تیری  
ذات کے کہیں بھی نہیں میں ایمان لایا تیری نازل کردہ کتاب پر  
اور تیرے بھیجے ہوئے رسول پر۔

زبان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایک لفظ اللہ کی عاجزی  
اور درماندگی اور رب العزت کی طرف اپنی پیروی اور انفویض کا مظہر ہے۔ اسلام کی جو حقیقت  
تیبہ الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک سے ظاہر ہوئی تھی کہ اپنی جانوں کو بالکل  
رب العزت کے حوالے کر دیا تھا۔ اپنے ظاہری اور باطنی امور کو کسی قاضی الامور کو سونپ  
دیا تھا۔ مطلقاً بے نیاز ہو کر اسی غنی مطلق کا نیاز مند اور مسکین سہارا بن کر اسی کا  
سہارا قبول کیا تھا کہ عزیزی وہ "مکن شہید" ہے۔

لہ اثار ہے آیت قرآن "او اوی الیٰ ذلک شدیدہ کفر"۔ الفسرتان،

جس کی پناہ کے بعد خوف نہیں اور جس کی مدد کے بعد ناکامی نہیں ہمارے تمام امور  
 اسی سے طے پارہے ہیں، ہمارے تمام کاموں میں اسی سے جان اور ہمارے تمام اسباب میں اسی  
 سے تاثیر آ رہی ہے۔ ہمارے اعمال و افعال کی ہر حرکت اسی سے ہے اور ہمارے ارادوں کی رنگ  
 آمیزیاں اور ترنوخ اسی کے دم سے ہیں۔ وہی ذاتِ اقدسِ کونین کے ہر ہنگامہ اور ہماری  
 ہر جنبش کا باعث و سبب ہے۔

یا خفی الذات محسوس العطا      انت کالماء و نحن کالرحا  
 انت کالریح و نحن کالغبار      یختفی الریح و نبیراہ چہار

تو بہاری ماہو باغ سبز و خوش

اور نہال و آشکار بخشش

تو چو جانی ما مثال دست دیا      قبض و بسط دست از جان شد دوا

تو چو عقلی ما مثال این زباں      این زباں از عقل یا بد بیاں

تو مثال شادی ما خندہ ایم

کہ نتیجہ شادی و فرخندہ ایم

(عارف موم)

وہ کریم مطلق جو اندرون بیرون، غیب و شہادت، ظاہر و باطن کے ہر ہر امر  
 کا مؤثر حقیقی اور لاشریک خالق ہے جس کی ربوبیت سے موجودات کا ذرہ ذرہ قائم  
 ہے۔ اور جس کی عظمت کے شجر شمس سرافندہ ہے۔ اسی لائق ہے کہ ماسوا کی ہر چیز  
 کی نفی کرتے ہوئے اسی سرچشمہ بقاء و حیات کی طرف کلیتہً متوجہ ہو کر اپنے کو اس کے  
 سپرد کر دیا جائے کہ تسلیم و رضا کا مقام اور محبت کی غلظت میں "افلیں" کے ترک کیے  
 بغیر مشکل ہیں۔ اسی لئے وہی عظیمی کے موسس اول ابوالبینا سینا ابراہیم علی دنیا  
 و علیہ الصلوٰۃ و التسلیم نے اپنی ملکوتی میر میں پہلا قدم آفلیں کی محبت کی نفی سے کیا حال  
 لا احب الا فلیں اور پھر بکار آئے۔

اِنِّیْ فُجِیْهَتْ وَجْهَیْ لِذِیْ قَطْرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ  
حَتِّیْ فَاَ مَا اَنَاصَتْ اَلْمُشْرِیْیْنَ ۝

ترجمہ میں نے توجہ کر لیا اپنے منہ کو اسی کی طرف جس  
نے بنا ئے آسمان اور زمین سب سے یکسو ہو کر اور میں نہیں

ہوں شرک کرنے والا۔ (الانعام - ۹)

پس ملت جعفری کے ہر پیر و کار کا یہ فرض ہے کہ ہر طرف سے ٹوٹ کر اسی کی طرف  
یکسوئی اختیار کرے کہ حقیقت ظاہر و باطن میں کسی غیر کی طرف توجہ کو برداشت نہیں  
کر سکتی۔ اور کسی سفلی و علوی مخلوق کو اپنی جگہ قرار نہیں لینے دے سکتی اس کی اصلی منزل اور  
اس کا مقصد وحید ذات متعال ہے۔

بزرگ نگارہ کبریا ئش سرور داند فرشتہ صید ہمیشہ شکار یزدان گیر!  
در درشت جنوں میں جبریل زبوں صید یزدان بکندہ اور اے ہمت مرطمانہ!  
مرد حنیف کی تمناؤں کا محور اس کی انگلیوں کا منہا اور اس کے ارادوں کا  
نشین وہی ذات جلیل ہے جس کے سوا محبوب بننے کا سزاوار کوئی نہیں ہے، یہی  
وہ ہے کہ جن ازل کے سب سے بڑے ادا شناس فداۃ الہی داعی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
انسانیت کو جن تعلیمات سے روشناس کیا ان میں سر عنوان یہ مضمون تھا کہ کائنات کی کوئی ہستی  
علویات کی کوئی شے، منطیات کی کوئی چیز حمید مطلق کے سوا تمہارا کعبہ مقصود نہ ہو، عزت و  
جاہ کی خواہش مال و دولت کی حرص، نمود و نمائش، کبر و تفاخر اور کوئی لغائی خواہش تمہاری  
توجہ کا مرکز نہ بنے۔ بلکہ تمہاری پوری کی پوری زندگی کا شمار و مقصد ذات باری ہو  
ارشا و بتا ہے۔ ~

فاعبدوا للہ مخلصاً لِّہ الدِّیْنُ ۝  
اِلَّا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْحَقُّ ۝  
سو بندگی کر اللہ کی خاص کر کے اسکے  
واسطے صحتاً ہے اللہ ہی کیلئے ہے  
بندگی خالص۔ (انزور)

اس کی بارگاہ احدیت میں کوئی ایسا کام مقبول نہیں جس میں ماسوا کی رضا کا شائبہ بھی ہو۔ کہ محبوب حقیقی کی غیرت ”بوسے غیر“ کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لیے زبان رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک بار ارشاد ہوا کہ

”قیامت میں خدا انگلوں اور پھلوں کو یک جا کر لٹکا تو ایک منادی آکر پکارے گا کہ جس نے اپنے عمل کے ساتھ کسی غیر کو بھی شریک ٹھہرایا ہو تو وہ اپنا ثواب اسی غیر سے ملے گا کہ خدا سا جھے سے بے نیاز ہے“

(سیرت النبی جلد چہارم ص ۵۸ بحوالہ سنن ابن ماجہ باب الریا ترمذی)

دسند ابن جنبل (۲)

اور اسی بے بارگاہ خلد و ندی کے سبب دُشمن شناس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس

اعلان کا حکم ہو رہا ہے۔

قل انی امرت ان اعبد الله	تو کہ مجھ کو حکم ہے کہ بندگی کروں
مخلصا له الدين و امرت لان	اللہ کی خاطر کہہ کے اس کیلئے بندگی
اکون اول المسلمين و قل انی	اور مجھ کو یہ (مجھ) حکم ہوا کہ میں جھلا
اخاف ان عصیت ربی عذاب	فرمان بردار نیوں کہہ دے کہ میں ڈرتا
یوم عظیم و قل الله اعبد	ہوں، اگر اپنے پروردگار کی نافرمانی
مخلصا له دینی و فاعبدوا	کروں بڑے دن کے عذاب سے
ما شیئتم من دونہ و	کہہ دو کہ اللہ کی ہی بندگی کرتا ہوں
(زمر - ۲)	اپنی بندگی کو اس کے لئے خالص کر کے

تو تم (اے کافرو) خدا کو چھوڑ کر  
جس کی چاہے عبادت کرو

ضعیف مسلم بندہ کی پہچان ہی یہی ہے کہ اس کا سر نیاز بارگاہ قدس کے سوا کہیں

جھکنے نہ پائے اس کا دل حرم ذات کے جلووں میں کھو کر رہ گیا ہوا اس کی نگاہیں اس  
 صحن بے جہت سے اس طرح مسح ہو چکی ہوں کہ التفات و توجہات کا مرکز مولائے قدوس  
 کے سوا کوئی نہ رہا ہو۔

## مصطفیٰ راضی نشد الابدات

کہ ملت حنفی کے تافہ سالار صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قلبی کیفیات اور آرزوؤں کو دعا کے  
 حاجتیں یوں پیش فرما رہے ہیں۔

اللهم اجعل وساوس	اے اللہ کہ دے میرے دل کے
قلبی خشيتك وذكرك	تخیلات (وسوسوں) کو اپنا خوف اور
واجعل همتي وهواتي	اپنی یاد اور میرے اہل و عیال اور خواہش
فيما تحب وترضى	کو اس چیز میں کہ دے جسے تو اچھا

سمجھو اور اس سے راضی ہو۔

کہ وہ دل جس میں وہ سما جاتا ہے۔ اس کے سوا کسی کی طرف نگاہ نہیں  
 ڈال سکتا۔ جسے سورج کی روشنی میں آجائے فردوس سے اقتباس نور نہیں کیا کرتا۔

میراث میں نہیں درگہ میر و وزیر  
 میراث میں بھی تو شاخ نشین بھی تو

اس صحن بے پردہ کے سامنے تمام صحن متور، اور محبوب ازل کے سامنے تمام محبتیں  
 ماند پڑ جاتی ہیں۔ اور یہی وہ صدیقیت کا اونچا مقام ہے جس کی طرف شاید ان الفاظ  
 میں اشارہ کیا گیا ہے۔

الذین آمنوا شد حبًّا لِلّٰہِ . (البقرہ)

جو ایمان لائے وہ ہر چیز سے زیادہ اللہ کی محبت رکھتے ہیں  
 کہ عین صحن پر عین کامل۔ ولہ و شہاد کے بغیر نہیں چھوڑتا۔ مستور ازل کا چہرہ بے



نقاب مانے آجائے تو کون ہے جو ہوش و قرار قائم رکھ سکے۔  
 وہ شہ دلہا جب مانے آجائے ہے تھامنا یوں دل کو پہ پہلے سے نکلا جائے  
 اور یہ نتیجہ ہے اس قلبی یقان و صدق کا جسے ہم اخلاص کے نام سے پکارتے  
 ہیں کہ دل کی کائنات پر جب حسن ازل کا فیضان ہوتا ہے تو وہ انوار و تجلیات الہی سے  
 متاثر ہو کر سراپا اس کے جلوؤں میں مستور امد کیفیات سرمدی میں نمودار ہو جاتا ہے۔ اور اس  
 کی زندگی کا ملا اس کے تابع ہو کر اسی سے ہو جاتی ہے۔

من بجا ماں زندہ ام و زجاں نیم  
 من زجاں بگذاشتم و جانا نیم  
 چشم دگوش دوست و یایم آگرفت  
 من بدر رفتم سرگرم او نگرفت  
 این بصردیں سمع چوں آلات دوست  
 بلکه ذرات تنم مرآت دوست  
 نغمہ از نایبیت نے از نے بیاں  
 مستی از ساقیت نے از من بیاں  
 چوں مرا دیدی خدارا دیدہ  
 گردو کعبہ صدق برگردیدہ  
 گفتن من گفتن اللہ بود  
 گرچہ از خلقم عبداللہ بود  
 ما چوں مست از دیدن ساقی شدیم  
 مست گشتم از فنا باقی شدیم

(عارف سوم)

کہ ایمان کا صدق ادا خلاص تو یہی ہے۔ کہ جس حی و قیوم پر لفظ ایمان لایا ہے اس کی ایک ایک کیفیت قلب کی گہرائیوں سے مشاہدہ کرے جب عین حیا و قیوم محض وہی ہے۔ تو پھر عالم کی ہنگامہ آرائیاں اس سے نہ ہوں تو کس سے ہوں۔

اول آخر توئی مادرِ بیاں  
بیچ بیچ کے ناپید دریاں

پس اخلاص دل کی اس سچائی کا نام ہے۔ کہ جس ذات واحد پر ایمان لایا ہے اس کے قلب کی انتہائی گہرائیوں میں سوائے اس کے کوئی بار نہ پاسکے۔ اور جو ایمانی الفاظ اس کی زبان سے ادا ہو رہے ہوں۔ اس کے قلب کی اندرونی آواز ہو جس میں ظاہر و باطن کسی دوسری خواہش شامل نہ ہو۔ اور حق تو یہ ہے کہ اخلاص ایمان کی سختگی اور سچائی کا نتیجہ ہے کہ جب ذات واحد کا ہر چکا تو کسی دوسری طرف میلان اس کے ایمانی دعوے کی تکذیب کے مترادف ہے۔ اسی لئے ہر اس خواہش کی پیروی جو اس کی رضا کے لئے نہ ہو۔ معبود باطل کی پیروی قرار دی گئی۔

قرآن میں ارشاد ہے :-

أَدْعَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهًا  
مِثْلَهُ  
کیا تو نے اس کو دیکھا جس نے اپنی  
نفسانی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔

(فرقان - ۲)

اسی وجہ سے اخلاص کی متقابل صفت ریا کو ایمان کے جھوٹے دعویداروں کی طرف منسوب کیا گیا ہے جیسے کہ آیت ذیل سے مستفاد ہوتا ہے۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ  
وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا  
قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا  
بِالْهَيْبَةِ  
پلشتہ منافق لوگ چال بازی کرتے ہیں  
حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو اس چال کی خبر  
دیتے رہے ہیں۔ جب نماز کو کھڑے

کَسَالَى يَرَاوُنَ النَّاسَ  
فَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ  
إِلَّا قَلِيلًا (انعام ۲۱)

ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کمزور  
ہوتے ہیں، مرنے آدھیوں کو دھلا  
ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں  
کرتے مگر بہت مختصر۔

(ترجمہ ام تحفانوی)

یعنی باطن میں تو ان کے ایمان کی بوتل نہیں پہنچتی۔ ظاہری ظاہر میں اپنی اغراض  
کے لئے بن رہے ہیں۔ حالانکہ جس دن اللہ روزی بھیک لھیں گے تو وہ ظاہر جو باطن  
کے بغیر یوں گے سراب محض بن کر رہ جائیں گے اور اپنے اس دھوکے اور فریب کے سبب  
جہنم کے عقیق ترین گوشہ میں پھینک دیئے جائیں گے (اعیان اللہ) کہ ان کا دل اس  
سچائی کو قبول نہ کر سکا جس کا وہ زبانی دعویٰ کر رہے تھے اور ان کے قلوب کی  
گہرائیاں حق کے نور سے قطعاً مستفید نہ ہو سکیں۔ اسی لئے جہنم کے تاریک ترین گوشہ  
ان کے سیاہ قلوب کا ٹھکانہ ہونگے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَجِ  
أَنَّا نَسْفِلُ مِنْ النَّارِ وَلَكِنْ  
تَجِدْ لَهُمْ لَعِيرًا

بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نچلے  
کے طبقہ میں جائیں گے اور تو ان کا  
برگز کوئی مددگار نہ پاویگا۔

(ترجمہ ام تحفانوی)

(انعام - ۲۱)

اس کے برعکس جن لوگوں نے تاب ہو کر خالص نیت سے اپنے دین میں نئی  
جان ڈالی ہوگی۔ وہ منہیں کے ساتھ اعظم کے مستحق ہونگے کہ عمل صالح کی قبولیت کی  
شرط اول اخلاص نیت ہے چنانچہ اسی آیت سے اگلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

لَا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا لَكِنْ جُودُكَ تَوَجَّهْ كَرِيمٍ (اصلاح ۱۷)

وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ وَاٰخِلَاصًا  
 دِينَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولَٰئِكَ  
 مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَسَوْفَ  
 يُؤْتِي اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ  
 اَجْرًا عَظِيْمًا  
 اور اللہ تعالیٰ پر وثوق رکھیں اور اپنے  
 دین کو خالص اللہ ہی کے لئے کیا کریں  
 تو یہ لوگ مومنین کے ساتھ ہوں گے اور  
 مومنین کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا  
 فرمائیں گے۔

(ترجمہ امام تھانویؒ)

(النساء - ۲۱)

کہ توبہ و اصلاح، اعتصام باللہ خالص فی الدین کے مظاہر ہی تو ہیں جب تک  
 قلب خالص کی روشنی سے آستانہ ہوگا۔ نہ تو توبہ کی حقیقت مل سکتی ہے۔ نہ اصلاح کا دروازہ  
 کھل سکتا ہے۔ نہ اعتصام باللہ کی سنہری زنجیر تھک سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن  
 حکیم میں کئی جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ عبادت

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ

اسی کے لئے خاص رکھیں۔

کہ خالق کائنات کی، دلوں کو تانکنے والی نگاہیں ہمارے اندرون میں اس سچائی کو  
 تلاش کرتی ہیں کہ میرا بننے کا دعویٰ کرنے کے بعد اس مدعی ایمان کی آنکھیں کسی دوسری طرف  
 تو نہیں اٹکی ہوئیں۔ ایمان صادق کا نتیجہ ہی یہ ہے کہ قلب و ظاہر کی تمام کائنات سمٹ کر  
 دستِ محبوب میں آجائے۔ اور ہم اپنے اندرون کے کسی گوشے سے بھی غیری طرف متوجہ  
 نہ ہوں۔ ہمارا مقصد و حید ذاتِ جمیل کی رضا ہو۔ ہمارا ہر عمل اسی کی خوشنودی کے تاروں  
 سے حرکت میں آ رہا ہو۔ اور ظاہر و باطن کی خواہشیں سمٹ کر اسکی خواہش کے تابع ہو چکی ہوں

فراق و وصل چہ باشد رضاے دوست طلب

کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے

قرآن کی آیت ذیل اسی طرف رہنمائی فرما رہی ہے۔

اَسْكَا اِسْتِغَاوًا وَجْهَ رَبِّهِ الْاَعْلٰی

یعنی اپنے عالی شان پروردگار کی ذات کے سوا کوئی

مقصود نہ ہو۔ (السیل - ۱)

ذات اقدس کی رضا کے متلاشیوں کا بارگاہِ قدس سے نوازا جانا بھی یقینی ہے۔ کیونکہ

جو اس کے سوا کسی کو نہیں چاہتے وہ بھی انہیں چاہنے لگتا ہے چنانچہ آیت بالا کے بعد رضائے  
مولا کی خوشخبری خود اسنادی گئی ہے کہ اس کا چاہنے والا حبیب اس کے سوا کسی پر راضی نہیں ہوتا تو  
اس کا خوش کرنا گویا اپنے سے نوازینا ہے۔

وَلَسَوْفَ يَرْضٰی (السیل - ۱) اور یہ اللہ کی ذات کا چاہنے والا

عنقریب راضی ہو جاوے گا۔

فلندی برمن از تازنگاہے قربان نکلے تو شوم باز نگاہے!  
یہی وہ ہے کہ صدق و اخلاص کے ریکڑے "مقامِ صدق" اور ملکِ مقدر کی بارگاہ  
قدس میں جلوہ بازیے ذات سے نوازے جائیں گے۔

اِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهْرٍ  
فِي مَقْعَدٍ صِدْقٍ عِندَ  
مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ  
بے شک پرہیزگار، باغوں میں اور نہروں  
میں سچائی کی نشست گاہ میں اس بادشاہ  
کے حضور جس کا سب پر قبضہ ہے۔

(قر - ۳) ہونگے۔

میرا ذوق تو یہی کہتا ہے کہ جن کے قلوب کے اندر ایمانی سچائی و اخلاص ریح چکا ہوگا۔  
اس "سچائی کی نشست گاہ" کے نشین ہوں گے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر جو قلوب اس عالم میں اس  
کے سکون بخش روئے اقدس کے سوا کسی کے متلاشی نہیں تھے۔ وہاں بھی اس رخ کی جلوہ سمانیوں  
سے دل شاد رہیں گے۔

وجوہِ یومئذِ ناضرة کتنے چہرے اس دن تروتازہ اور بخشنے

اَللّٰی دَبَّحَنَا ظَهْرًا (قیامہ - ۱) پھر درد و گار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے  
انسان سے کہ قلوب و اندرون کی یہی صدق و سچائی ہے جو اس کے اعمال میں جان  
ڈالتی اور اس کے انحال میں رنگ بھرتی ہے۔ انسان کی صلاح و فلاح کا سارا مدار اسی اندونی  
صحت و صفائی سے وابستہ ہے۔

چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مَصْفَاةً      من نو اکر بدن میں گوشت کا لکڑا  
اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ      ہے جب وہ درست ہوا تو سارا جسم درست  
وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ      ہوا جب وہ بگڑا تو تمام جسم بگڑا  
کُلُّهُ اِلَّا وَحْیَ الْقَلْبِ      اور سن لو کہ وہ دل ہے۔

(بخاری و مسلم)

یہی وجہ ہے کہ رب العزت کی پاک نگاہوں کا مرکز بھی انسان کی قلبی گہرائیاں ہیں۔

توبیرون را بنگری وقال را      من دردن را بنگرم در حال را

کہ انسان کی پوری زندگی کی تشکیل جن تصورات و خیالات، احساسات و مہیجانات کی  
بنیاد پر ہوتی ہے۔ ان کا چشمہ ہمیں سے چھوٹتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسانی اعمال و انحال کے  
نقوش پہلے پہل اُجھٹتے ہیں اور انسانی زندگی جن خاکوں میں رنگ بھرتی ہے انکی تیاری کا بھی یہی  
مقام ہے گویا ہماری زندگی کی ایک ایک حرکت ہمارے اعضاء و جوارح کی جنبش ہمارے اعمال کی ترقی و ترویج  
اور اخلاق و عادات کی نیرنگیاں ہماری اسی قلبی

اُسی کا نتیجہ ہوتی ہیں جسے ہم کسی فعل  
کے صدور سے بیشتر قلب میں محسوس کرتے ہیں اور جسے ہم اپنے الفاظ میں نیت و ارادے  
کے نام سے موعوم کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے فعل ہمارے قلبی ارادے  
کے بغیر نہیں ہوتا۔ اور یہی قلبی ارادہ ہمارے ہونے والے کام کا مقصد یا تولد ہے۔ گویا ہم ہر کام کرنے  
سے بیشتر اس کا مقصد و غنما متعین کر لیتے ہیں اور ہمارے کام اسی مقصد کے حصول کیلئے ہوتا

ہے یہی وجہ ہے کہ نیت و ارادہ پر ہر فعل کے حسن و قبح کا انحصار رکھا گیا ہے اگر نیت درست  
 و نیک ہے تو کام بھی اچھا تصور کیا جاسکتا۔ اور اگر نیت فاسد ہے تو ہمارا وہ کام، کو ظاہر  
 میں کتنا ہی اچھا ہو۔ اپنے مقصد کے فساد کی وجہ سے بیکار اور کالعدم ہی جائیگا۔ کہ ہر کام  
 اپنے مقصد کی وجہ سے ہی معتبر گردانا جاسکتا ہے۔ اسی حقیقت کی پردہ کشائی حدیث کے  
 اِن الفاظ میں فرمائی گئی ہے۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَانَّمَا	کام کا اندازہ نیتوں پر ہے ہر شخص کو دہی
لَا مُرِيَّ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ	طے گا جس کی اس نے نیت کی، اگر
هَجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَرِسُوْلِهِ	ہجرت سے مقصود خدا و رسول صلی اللہ
فَهَجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَرِسُوْلِهِ	علیہ وسلم تک پہنچا ہے تو اس کی ہجرت خدا
وَمَنْ كَانَتْ هَجْرَتُهُ اِلَى	کی طرف ہے اور اگر کسی دنیاوی غرض کیلئے
دُنْيَا يَصِيْهَا وَاِمْرَاَةٌ يَنْكِحُهَا	ہے یا کس عورت کے لئے ہے تو اس
فَهَجْرَتُهُ اِلَى مَا هَا جِهَرَالِيْهِ	کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس
(صحیح بخاری ص ۱۱۱)	

ہجرت جو ایک نہایت عظیم اور مشکل عمل ہے اس کی مثال سے یہ واضح فرما دیا گیا کہ  
 تمہارا کوئی عمل خواہ ظاہر میں کسی قدر عظیم الشان و پر شکوہ ہو۔ اگر وہ فساد نیت کی زہر مسموم  
 ہے۔ تو عن اللہ اس کا کوئی اجر نہیں، کہ اللہ تو تمہارے دلوں کی پوشیدگیوں کو دیکھتا ہے۔  
 کہ تم کس ارادے سے یہ کام سرانجام دے رہے ہو۔ وہ عمل کی ظاہری شکل کے بجائے اس  
 کی حقیقت معنوی کو دیکھتا ہے۔ چنانچہ قربانی جو اسلام کا ایک بڑا شمار و خلیل اللہ کی سنت ہے۔  
 اس کے متعلق بھی ارشاد فرماتا ہے۔

لَنْ يَنَالَ اللّٰهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُ	خدا کے پاس قربانی کا گوشت اور خون
هَآوَا لَكِنْ يَنَالُهُ اتَّقَوْنِیْ مِنْكُمْ	نہیں پہنچتا۔ لیکن تمہارا تقویٰ اس کو

( ۵ - ح ) پہنچتا ہے ۔

اور ” تقویٰ “ کا مقام وہی گوشت کا ٹکڑا ہے جسے ہم قلب کے نام سے پکارتے ہیں۔ جو ہماری تمام عیتوں کا ماخذ و محرک ہے چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے ارشاد فرمایا :-

التقویٰ ہهنا تقویٰ کی جگہ یہی ہے۔

( صحیح بخاری باب تحریم ظلم المسلم )

نبیوں کے اس سرخ شپہ کی پاکی و صفائی اعمال کی پاکی و طہارت کا سبب ہے۔ کل جزا کے دن اعمال کا حسن و قبح اندرون کی کیفیتوں کے مطابق ہی پرکھا جائیگا۔ اندرون کے بھید کھل کر انسان کے اعمال کو اپنے نور یا اپنی ظلمت سے ڈھانک لیں گے۔ اور کوئی پوشیدگی نہ رہے گی۔ چنانچہ کفار کے ذکر میں ارشاد ہوتا ہے :-

یَوْمَ تَبْلُو السَّيْرَةَ فَمَالَهُمْ قُوَّةٌ وَلَا نَاصِرَةٌ  
جس دن جانچے جائیں گے بھید تو کچھ نہ ہوگا۔ اس کو نہ در اور نہ کوئی مدد کرنے والا ۔

( الطارق - ۱ )

یعنی قیامت کے دن سب کی قلبی کھل جائے گی۔ دلوں کے پوشیدہ راز آشکار ہو جائیں گے۔ چھپی چیزیں ظاہر کر دی جائیں گے۔ اعمال کی جانچ اندرون کی عیتوں کے مطابق ہوگی ظاہری بناؤں اور دکھاوا کچھ کام نہ آئے گا جو حقیقت ہوگی وہی ظاہر کر دی جائے گی زندگیاں نیا نیا مقاصد کے قالب میں ڈھل کر نکلیں گی۔ اس عالم میں جو کچھ ہمارے قلوب نے گمایا تھا، اس کا بدلہ ہمیں مل جائے گا۔ ورنہ بنی حسن نیت و اخلاص کے اعمال ملرب بن کر رہ جائیں گے۔ کہ دین ہدیٰ میں قبولیت کی پہلی شرط نیت کا خالص ہونا ہے یہی وجہ ہے کہ قیامت میں بھی نبیوں پر انسانوں کو اٹھایا جائے گا ( واللہ اعلم )

چنانچہ اس کی تائید حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے



ہرتی ہے جس میں آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کعبہ پر حملہ کرنے والے عساکر کے زمین میں  
دھنسن جانے کا واقعہ نقل کیا ہے چنانچہ فرماتی ہیں :-

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم	رسول الله صلى الله عليه وسلم نے فرمایا ایک
يبرز جيش الكعبة فاذا	فوج کعبہ کی بربادی کے لئے جنگ
كانوا ببيدار من	(ماتھے) کر رہے گی جس وقت بیدار
الارض يخسف باولهم	میں پہنچے گی تو ان میں کے اولیٰ و آخری
واآخرهم قالت قلت	سب کے سب زمین میں دھنسن جائیں
يا رسول الله صلى الله عليه و	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا یا
سلم كيف يخسف باولهم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب
واآخرهم وفيهم اسوام	کے سب کیوں زمین میں دھنسن کر ہلاک ہوں
ومن ليس منهم قال يخسف	گئے۔ حالانکہ ان میں بازاری دالے اودھ
باولهم و آخرهم	لوگ جو ان میں سے نہیں ہوں گے۔
شميعثون على	(مثلاً ضعفاء اود قیدی کہ قال ايضا)
نياتهم	ان کے ساتھ شامل ہوں گے۔ (اور

وہ بے قصور ہوں گے) فرمایا سب  
کے سب دھنسن کر ہلاک ہوں گے لیکن  
پھر قرأت میں اپنی اپنی نیتوں پر اٹھائے  
جائیں گے (جس کی نیت یہ کہ کعبہ کی ہوگی  
وہ مٹا دے گا جو بے قصور ہوگا وہ مٹا  
کہ دیا جائے تھا)

(صحیح بخاری)

باب ما ذكر في الاسواق ۶۸۴

(جلد اول)

یہ حدیث اس چیز کی سربراہی دہیل ہے کہ انسانوں کو اعمال کی جزا انکی نیتوں کے مطابق ملے

گی، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ہر عمل کیلئے نیت کی اصلاح پر نہایت ہی زور دیا ہے۔ جبر وہ کام جو صرف اللہ رب العزت کی رضا اور ذات کیلئے ہوگا۔ اللہ چاہے تو یقیناً مقبول ہوگا۔

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ  
مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ  
نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا

اور جو یہ تمام کام خدا تعالیٰ کی خوشنودی  
کے لئے کرے گا۔ تو ہم اس کو بڑا اجر  
دیں گے

(نہ - ۱۷)

وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْدِ  
رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ  
آتَوْا الزَّكَاةَ سِرًّا  
وَعَلَانِيَةً وَيَذَرُونَ  
بِالْحُسْنَى السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ  
لَهُمْ عَقَبَى الدَّارِ

اور جنہوں نے اپنے پروردگار کیلئے  
صبر کیا۔ اور نماز قائم کی۔ اور ہم نے  
جو ان کو دیا ہے اس میں کچھ چھپے اور  
کچھ طریقے سے خرچ کیا۔ اور برائی  
کو نیکی سے دور کرتے ہیں۔ انہی  
کے لئے ہے بچھاؤ گھر (یعنی عاقبت  
کا چین) ہے۔

(معد - ۳)

مسلمانوں کی تعریف کی گئی ہے :-

وَمَا تَنْفَقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ  
وَجْهِ اللَّهِ

اور تم تو خرچ نہیں کرتے مگر  
اللہ کی ذات کو چاہ کر۔

بعض مجلس صحابہ کرام (خصوصاً حضرت صہیبؓ) جو اللہ کا رضا کیلئے اپنا سب کچھ کفار

کو دے بیٹھے تھے۔ ان کے متعلق فخریہ انداز میں فرمایا

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ  
ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ  
رُؤُوفٌ الرَّحِيمُ

بعض ایسے ہیں جو اپنی جان کو خدا کی  
خوشنودی چاہنے کیلئے بیچتے ہیں اور  
اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

کہ جان دیکر بھی اگر رضا مجھ کو حاصل ہو جائے تو نفع کا سودا ہے۔ بارہ الٹ کا  
ایک مرثا خبیث اسی حقیقت سے وارورسن کو زینت بخشا ہے اور جان عزیز آستان  
حبیب پران پر کیف نعموں کے شہر میں پیش کرتا ہے :-

ولست ابالی حین اقتل مسلما

علی ای شق کان لله مصری

ترجمہ اور مجھے پروا نہیں جب تک کہ تل کیا جاؤں کہ اللہ کے لئے کون سے بہو  
پر میرا قتل ہوگا (گونا گونا گئے)

وذاک فی ذات الالہ وان یشاء

یبارک علی اوصالہ مشلو ممسوع

یہ مرثا تو خدا تعالیٰ کے لئے ہے اگر وہ چاہے تو ان کے ہوتے جو نروں پر برکت

نازل کر سکتا ہے۔ باب الیشا سرالرحل ص ۲۸ جلد ۱۔

اخلاص اور رضا سے الہی کی طلب ہی اعمال میں وزن پیدا کرتی ہے۔ ورنہ اعمال  
کا ڈھانچہ اخلاص کے بغیر بالکل کھوکھلا ہے جس کی اللہ کے ہاں کچھ بھی وقعت نہیں  
بلکہ وہ حسرت و یاس کا سبب ہے۔ اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں اس حقیقت کو ایک تمثیل کے

ذیل سے سمجھایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ

لَهُمْ ابْتِغَاءً مَّرْضَاتٍ

اللَّهِ وَتَثْبِثًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ

مَكْثَلٍ جَنَّةٍ يَرْجُونَ أَصَابِعَهَا

وَأَبْلُ قَطْرًا وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

بَعِيرٌ ۚ أَلْيَوْمَ أَحَدُكُمْ

اور ان لوگوں کے خرچ کیے ہوئے

مال کی حالت جواپنے مالوں کو خرچ کرتے

ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض سے

اور اس غرض سے کہ اپنے نفسوں کو اس

عقل کا غور کرنا کہ ان میں سختی پیدا کریں

مثلاً حالت ایک باغ کی ہے جو کسی ٹیلے پر

اَنْ تَكُوْنُ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّحْلٍ  
 وَّاَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ  
 تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ وَلَهُ فِيهَا  
 مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَاَصْحَابُ  
 بِئِ الْاَيْمَنِ لَهُ دَرَجَةٌ  
 مَّعْقُورَةٌ فَاَصْحَابُهَا  
 رَاْعَصَارٌ فِيْهِ نَارٌ  
 فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ  
 يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ الْاٰيَاتِ  
 لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ

ہو کہ اس پر زور کی بارش  
 پڑی ہو پھر وہ دندار چوکنے پہل  
 لایا ہو۔ اور ایسے زور کا مینہ نہ پڑے  
 تو کبھی پھوٹا بھی اسے کافی ہے اور اللہ  
 تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے  
 ہیں بھلا تم میں سے کسی کو یہ بات  
 پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو کھجوروں  
 کا اور انگوروں اس کے (درختوں  
 کے نیچے) نہریں چلتی ہوں۔ بس  
 شخص کے ہاں اس باغ میں اور بھی  
 قبرسم کے (مناسب) میوے ہوں اور  
 اس شخص کو بڑھاپا آگیا ہو اور اس کے ہاں وہ  
 عیال بھی ہوں جن میں (کمانے کی قوت)  
 نہیں۔ سو اس باغ پر ایک بگولہ آدے  
 جس میں آگ (لگادہ) ہو پھرو گی باغ  
 جل جاوے اللہ تعالیٰ اسی طرح ظناؤ  
 بیان فرماتے ہیں تاکہ تم سوچو۔

(ترجمہ امام تھانویؒ)

(البقرہ - ۳۶)

مذکورہ بالا آیتوں سے یہ حقیقت بالکل کھل جاتی ہے کہ اخلاص والا عمل ہی  
 اللہ کے ہاں پھلتا اور پھولتا ہے۔ اور جو عمل بغیر اخلاص کے کسی پر احسان دھرنے کی نیت سے  
 کسی کو مومن احسان بنا کر شرمانے اور طعنہ دینے کے ارادے سے یا لوگوں کو دکھانے منانے

کیسے کیا جائیگا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی چکنے پتھر پر مٹی تھا پڑ جائے اور بارش کے برسنے سے وہ زیادہ مٹا ہو کر رہ جائے۔ گویا اس کا عمل سخت اور چکنے پتھر پر مٹی تھا جسے اس کے فساد نیت کے پانی نے دھو ڈالا۔ فساد نیت اور عام اخلاص سے اعمال جس طرح برباد ہوتے ہیں۔ کس قدر واضح اور دلنشین مثال سے بیان فرمایا۔

کہ دیکھو اپنے اعمال کے مہلک تھے اور پر مہوہ باغ کو ریا وغیرہ سے برباد مت کر دو کہ جس طرح ایک بوڑھا ضعیف شخص جو ہر قسم کے پھلوں سے بھر پور باغ کا مالک ہو اور چھوٹے چھوٹے بچے رکھتا ہو جو کانے کے لائق نہ ہوں، اور بوڑھے باپ اور ننھے بچوں کی زندگی کا سہارا یہی باغ ہو، ایسے میں ایک باوجود صرصر کا جھونکا اپنے اندر آگ لٹے ہوئے آئے اور اس امیدوں کے ساتھ باغ کو ان کی آن میں بھسم کر کے رکھ دے اور اس طرح اس محتاج و بیکس کی آرزوؤں کے خرمیں کو خاکستر کر دے اور اسے ناامیدوں کی گھٹاؤں میں اس وقت چھوڑ دے جب کہ اس کی زندگی اور معاش کا سامان کچھ بھی نہ ہو سکتا ہو۔ اندازہ کیجئے حسرت و یاس سے اس بوڑھے کی کیا حالت ہوگی؟ اسی طرح قیامت کے دن جب کہ سارے مہارے ٹوٹ چکے ہوں گے، عمل کا وقت گزر چکا ہو گا اور ان ایک ایک عمل کیسے اس بوڑھے سے زیادہ محتاج ہو گا، اس شخص کی کیا حالت ہوگی، جس نے زندگی بھر اپنے اعمال سے ظاہر میں خوشنما باغ تو نکھایا تھا لیکن فساد نیت کی آگ کے شعلے ہر عمل کی تہہ میں چھپا رکھے تھے، عین ضرورت و محتاجی کے وقت اعمال کا یہ حسین باغ بد نیتی کے شعلوں سے جل کر رہ جائیگا۔ سوئے حسرت و یاس ناکامی و نامرادی کے کچھ اس کے ہاتھ نہیں آئیگا، چنانچہ کفار کے متعلق جو کہ ایسا ان کے فقدان کی وجہ سے اخلاص کی نیت سے قطعاً گورہ ہے میں ارشاد ہے :-

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ  
كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ  
اور جو کافر ہیں ان کے کام  
ایسے ہیں جیسے میدان میں دیت،

الْظُّلْمَانُ مَا حَقَّتْ رِذَايَاكَ  
 كَرِيسَا اس کو پانی سمجھے اور  
 لَمْ يَجِدْكَ شَيْئًا  
 جب وہاں جائے تو اس کو کچھ نہ پائے

(النور — ۵)

غرض جو اعمال اللہ رب العزت کیلئے منہیں کیے جاتے انکی حیثیت رب  
 سے بڑھ کر نہیں۔ بلکہ یہ عمل کا عدم ہو کر انسان کی حیرت و کس کا سبب بنیں گے کہ اعمال میں حیرت و  
 قبح نیت کی اچھائی برائی سے آتا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ نیتوں کے تفادوت و تضاد  
 سے ایک ہی عمل کے تین مختلف نتیجے بیان فرمائے۔ فرمایا کہ گھوڑا باندھنا کسی کے لیے ابھر  
 کا موجب کسی کیلئے پردہ پوشش اور کسی کیلئے گناہ کا سبب ہے۔ جو خدا کی راہ میں باندھنا ہے  
 ابھر کا موجب اور اس کی چراہ گاہ میں رہی لمبی رکھنا ہے۔ تو اس کے چرنے اور اونچائی پر چڑھنے  
 پھرتے، قدموں کے نشان، لید کرنے اور پانی پینے (غرض ہر چیز کا) ثواب ملتا ہے،  
 پردہ پوشش اس کیلئے ہے جو ضرورت کیلئے باندھنا ہے کہ خدا نے اسے دولت دی ہے  
 تو اسے اپنی ضرورت کی چیز دوسرے سے مانگنی نہ پڑے۔ اور وہ اس کی گردن اور  
 پیٹھ میں جو اللہ کا حق ہے۔ ادا کرتا ہے اور گناہ کا سبب اس کیلئے ہے جو برباد و فخر  
 اہل اسلام سے دشمنی کیلئے باندھنا ہے۔

(صحیح بخاری باب شرب الخمر والذباب من الاطعمه ص ۳۱۹)

(ترجمہ لفظی نہیں کیا گیا تقریباً مطلب کھو دیا گیا ہے۔)

بہر حال اعمال کا تمام تر مدار نیت پر ہے۔ جو کوئی دینی اعمال سے دنیا چاہتا  
 ہے اسے علام الغیوب انکے بدلے دنیا ہی دے گا اور آخرت میں اللہ کے پاس  
 کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ اور ہر شخص خالصاً لوجہ اللہ اپنے اعمال کے پورے  
 کو سرسبز کر لگا۔ وہ اللہ کے ہاں اس سے بدرجہا بہتر اجر و ثواب پائے گا اور سب سے

بڑھ کر رضا الہی سے ہمکنار ہو جائیگا۔ گویا نیت کے نتائج میں دوسرے عالم میں ملے گئے۔  
چنانچہ ایک بڑی اثر انگیز حدیث میں جسے بیان کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے  
مرتبہ پیر شمس ہو کر گئے آقا سے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ عدالت کیلئے نازل فرمائیں گے اور برائت  
اپنی جگہ گھٹنے ٹیک دیگی اس وقت سب پہلے ان کی پیشی کا حکم ہوگا جو قرآن کے  
عالم تھے اور جو جہاد میں مارے گئے تھے اور جو دولت والے تھے پھر اللہ تعالیٰ  
عالم سے پوچھنیگا کہ کیا میں نے تجھ کو وہ سب کچھ نہیں سکھایا جو اپنے پیغمبر پر اتارا  
تھا، تو تم نے اس پر کیا عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا بار اہا میں شب در در سنائے  
میں قرآن پڑھتا رہا خدا تعالیٰ فرمائے گا۔ تو جھوٹا ہے فرشتے بھی کہیں گے یہ  
جھوٹا ہے پھر خدا تعالیٰ فرمایا گیا۔ تو تو اس لئے کرتا تھا کہ لوگ کہیں گے کہ تو  
بڑا عالم اور قرآن خوان ہے۔ تو دنیا میں تجھ کو کہا جا چکا۔ (یعنی تو اپنا بدلہ پا چکا)  
پھر دولت مند سے فرمائے گا کیا میں نے تجھ پر دنیا کشادہ نہیں کی یہاں تک کہ تو  
کسی کا محتاج نہ رہا عرض کریگا۔ کیوں نہیں اسے میرے رب! دریافت کریگا تو  
میں نے جو کچھ تجھے دیا اس میں تو نے کیا کیا؟ جواب دے گا۔ میں الی استحقاق  
کا حق ادا کرتا تھا۔ اور نصیرات دیتا تھا۔ ارشاد ہوگا۔ تو جھوٹا ہے فرشتے بھی  
کہیں گے یہ جھوٹا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ فرمائے گا۔ تو تو اس لیے یہ کرتا تھا،  
تاکہ لوگ کہیں تو بڑا آدمی ہے۔ تو یہ نہیں دنیا میں کہا جا چکا (تو اپنا بدلہ پا چکا)  
اس کے بعد وہ لایا جائیگا جو جہاد میں مارا گیا تھا۔ تو خدا تعالیٰ اس سے دریافت  
کریگا تو کس بات کیلئے مارا گیا؟ کہے گا خدا بالو اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا  
تھا۔ تو میں لڑا یہاں تک کہ مارا گیا۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے فرشتے  
بھی کہیں گے یہ جھوٹا ہے۔ خدا کہے گا تو تو اس لئے لڑتا تھا کہ لوگ تجھ کو بہادر

کہیں - تو دنیا میں تجھ کو کہا جا چکا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے پہلے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

(سیرت النبی ص ۶۲-۶۳ جلد ششم)

(بحوالہ جامع ترمذی باب ماجاء فی الردیاء والکفر)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو سن کر بہت روئے پھر لو بے خدا اور اس کا رسول اسچاہے۔ اور اس حدیث کی تائید میں قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی:-

مَنْ كَانَ يُؤَيِّدُ الْخَيُوتَ الْوَيْثَانَ  
فَزَيْنَتْ مَوْتَ الْيَمَمِ  
اعْبَاهُمْ فِيهَا وَلَهُمْ  
لَا يَنْجُونَ اُولَئِكَ  
الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي  
الْآخِرَةِ اِلَّا النَّارُ  
وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا  
فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا  
يَعْمَلُونَ

جو کوئی دنیا کی زندگی اور  
اس کی رونق چاہتا ہو  
تو ہم اس کا عمل اسی دنیا  
میں پورا کر دیں گے۔ بے کم  
دکاست، ان لوگوں کا  
آخرت میں کوئی حصہ نہیں  
مگر دوزخ اس دنیا میں  
انہوں نے جو بنایا وہ مٹ  
گئی اور جو کیا وہ برباد

(ہود - ۱)

ہو گیا (سیرت النبی ص ۶۳)

غرض ہمارے وہ عمل جو ذات الہی یا رضا سے الہی کے مقصد کے علاوہ ہماری  
اور کسی قلبی خواہش سے ملوث ہے۔ عند اللہ اجر و ثواب کا مستحق نہیں کہ اس کے سوا  
کسی مدد سے اس کا چاہنا اس کی بارگاہ میں مقبول نہیں کہ اس کا بنتے ہوئے دوسرے  
کی طلب شرک ہے۔

بتوں کا ہے بندہ خدا کا نہیں خدا کا نہ ہو جو مسلمان ہو کہ



اسی لئے ریا کو متعدد احادیث میں شرک کہا گیا ہے چنانچہ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں :-

قال خذ عیننا رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
و نحن نتذاکر بالمسیح  
الدجال فقال الا اخبکم  
بما هو اخوف علیکم  
عندی من المسیح الذی  
جال فقلنا بلی یا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم  
قال الشک الحقیقی ان  
یقوم الرجل فی صلی فیرید  
صلوة لمایری من  
نظر رجلے .

ابو سعید الخدری کہتے ہیں کہ ہم  
آپس میں مسیح دجال کا تذکرہ کر رہے  
تھے کہ اتنے میں رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور  
فرمایا کیا میں تمہیں وہ چیز نہ  
بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے  
لئے مسیح دجال سے بھی زیادہ  
خطرناک چیز ہے ؟ ہم نے کہا  
ارشاد فرمائیے . فرمایا شرک غفی  
کر (مثلاً) کوئی شخص نماز کیلئے  
کھڑا ہوا پھر نماز پڑھے مگر  
اس بے پردے کہ کوئی شخص

اس کو دیکھ رہا ہو (شکوہ شریف ص ۲۵۶)

بحوالہ ابن ماجہ

غور کیجئے . مسیح الدجال کا فتنہ وہ عظیم فتنہ ہے کہ تمام گزشتہ انبیاء  
مک اپنی امتوں کو اس سے ڈراتے چلے آئے ہیں . اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
بھی اس امت کو اس مہیب فتنہ سے باریبار آگاہ کیا . جیسا کہ صحیح روایتوں سے  
ثابت ہے . ہر دوزانہ نمازوں کے بعد زمانے کے اس عظیم فتنہ سے پناہ مانگی .  
لیکن اس قدر ہیبت ناک فتنہ سے بھی زیادہ خوفناک فتنہ ہمارے حق میں ریا کو قرار

دیا کہ ریا ہی وہ مہلک آگ ہے۔ جو مطلوب میں نامعلوم طور پر وارد ہو کر اعمال کے خیر میں کہ جلا کر  
 نہ رکھ کر دیتی ہے

چنانچہ بعض عرفا کا قول ہے۔

ادراک الریاء واصحاب      ریا کا معلوم کرنا سیاہ  
 من دبیب الغلّة فی      پتھر پر اندھیری رات میں  
 لیلة الظلماء علی الجور      چوٹی کے چلنے کو معلوم  
 الاسود      کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔

(ادکما قال)

کہ اگر کوئی کام کامل خلوص نیت سے بھی شروع کیا سچا۔ تو ہماری چھپی  
 ہوئی نفسانی خواہش رنگیتی ہوئی آ کر ہمارے قلب کی گہرائیوں میں فساد پیدا کر دیتی ہے۔  
 اور اغلباً استغفار یا توبہ میں اسی طرف اشارہ پایا جا رہا ہے۔

(واللہ اعلم)

وَاسْتَغْفِرْكَ بِكُلِّ خَيْرٍ      اور معافی چاہتا ہوں میں  
 أَرَدْتُ بِهِ وَجْهَكَ      تجھ سے براس نیکی کے بارہ  
 فَمَا لَطَفَ فِيهِ مَا لَيْسَ      کہ کرنا چاہتا میں نے اس کو  
 لَكَ .      خاص تیرے لیے پھر مل گئی  
 اس میں وہ چیز جو خاص تیرے  
 لیے نہ تھی۔

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو زیادہ کا خوف پہیم گریاں رکھتا  
 تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن وہ مسجد نبوی میں  
 آئے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو مدغمہ مطہر کے پاس بیٹھے ہوئے روئے

ہوتے ہوتے پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا۔ اے معاذ کیوں مدد دتے ہو۔ کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی تھی۔ جو مجھے دلا رہی ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ ”دیا“ کا حق دینا اس حصہ بھی شرک ہے۔ اور میں نے اللہ کے ولی سے عدالت کی اس نے اللہ تعالیٰ کو ٹرائی کیلئے پکارا۔ اللہ تعالیٰ ایسے پوشیدہ (غیر معروف و غیر مشہور) پرہیزگار نیکو کاروں سے محبت رکھتے ہیں جو غائب ہوں، تو (عدم شہرت کی بنا پر) تلاش نہ کیے جائیں اور اگر حاضر و موجود ہوں تو (عدم واقفیت کی بنا پر) نہ (دعوت میں) بلائے جائیں نہ قریب کیئے جائیں۔ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔ اور وہ غبارِ کدود اندھیروں (اعلیٰ تیرہ دنا ایک مکان مراد ہیں) سے نکلتے ہیں۔

(مشکوٰۃ شریف بابت الروایا و اسناد)

ص ۲۵۵

حضرت شہداء ابن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی قسم کا ایک واقعہ روایت کیا گیا ہے۔ ایک دن وہ رو رہے تھے۔ ان سے پوچھا گیا۔ کیوں مدد دتے ہو کہنے لگے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مجھے اپنی امت پر شرک اور پچھی خواہش نفس میں مبتلا ہو جانے کا ڈر ہے۔ حضرت شہداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک کریگی۔ آپ نے فرمایا ”ہاں!“ وہ چاند سورج پتھر یا بت کو نہیں پوچھیں گے، بلکہ لوگوں کو دکھانے کیلئے مل کریں گے۔

(مشکوٰۃ شریف ایضاً)

دیا اور عدم اخلاص کا یہی خوف تھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو کھانے رکھنا تھا کہ (معاذ اللہ) وہ منافق نہ ہوں چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے تعلیقاً روایت کیا ہے۔ کہ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ میں تیس صحابیوں سے ملا ہوں جن میں سے ہر شخص اپنے پرہیزگار کا خوف کھاتا تھا۔ اور ان میں سے کوئی نہیں تھا جو اپنے کو جبریل

اور میکائیل کے ایمان پر سمجھتا ہوں

( صحیح بخاری باب خوف المؤمن ان یحبط عملہ و یؤلا شیئہ )

جلد اول ص ۱

سرخیلؑ کیا ہیں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ علیہ کا قول بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : نفاق کا خوف مومن ہی کھاتا ہے اور نفاق سے اپنے کو بری منافق ہی سمجھتا ہے ۔  
بخاری ص ۱۲

جلیل القدر تابعی ابراہیمؒ فرماتے تھے :

مَا عَرَضْتُ قَوْلِي عَلَى  
الْأَخْشَيْنِ أَنْ  
أَكُونَ مَكْذُوبًا  
مِنْ حِبِّ كَوْنِي دُونَ  
أَنْ يَكُونَ  
أَخْشَيْنِ أَنْ  
أَكُونَ مَكْذُوبًا  
تو ڈرتا ہوں کہ جھوٹا نہ  
اپنے عمل پر پیش کرتا ہوں

( بخاری ص ۱۲ ) یوں

محکمین کا یہ گریہ و خوف اس چیز کو اجاگر کر رہا ہے کہ نیت کا حسن و اخلاص ہی اعمال کی جان ہے ۔ اور جہاں یہ آئینہ مکدہ ہوا ۔ اعمال کا بہتا ہوا دریا سراپے ذروں میں تبدیل ہو کر رہ گیا کہ دلوں کی پوشیدگیوں کو جاننے والے آقا کی باریک بین نگاہیں قلوب کی انتہائی گہرائیوں پر نظر رکھتی ہیں جیسا کہ اسرار عبودیت کے سب سے بڑے نقاب کشا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم ان  
اللہ لا ینظر الی صورکم و  
اموالکم و لکن ینظر الی قلوبکم  
واعمالکم  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے  
روایت ہے ، کہ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ  
علیہ وسلم نے کہ اللہ عز و جل تمہاری  
صور توں اور مالوں کو نہیں دیکھتے  
بلکہ تمہارے دلوں کو اور اعمال کو

دیکھتے ہیں۔

صحیح مسلم ص ۳۱ جلد دوم

مشکوٰۃ شریف ص ۵۵

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ریا اور دکھانے کی برائی متنبہ  
طریقوں سے ذہن نشین فرمائی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

کرتے ہیں :-

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

عليه وسلم قال الله تعالى

إِنَّا اغْنَى الشُّرَكَاءَ عَنِ

الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ

عَمَلًا اشْرَكَ فِيهِ مَعِيَ

غَيْرِي تَرَكْتَهُ وَشَرَكُهُ

وَفِيهِ دِرَاسَةٌ فَإِنَّا

مِنْهُ بَرِيءٌ هُوَ

الَّذِي عَمِلَهُ

(مشکوٰۃ ص ۵۵ بحوالہ مسلم)

کونوں کو اس کے شریک

کو لات مار دی (اور دوسری

روایت میں ہے) میں اس

سے بری ہوں۔ وہ (میں)

اس کیلئے ہے جس کے لئے اس نے

عمل کیا۔

اس شرک سے مراد ریا ہے جیسا کہ دوسری حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ شہادین اس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا۔

من صلی یرائی فقد  
اشرك ومن صام یرائی  
فقد اشرك ومن  
تصدق یرائی فقد  
اشرك

جس نے دکھا دے گا نماز  
پڑھی جس نے دکھا دے گا روزہ  
رکھا شرک کیا جس نے دکھا دے  
کا صدقہ کیا اس نے شرک  
کیا۔

(مشکوٰۃ باب الریاء والسمہ)

(بحوالہ احمد)

محمود ابن لبید رضی اللہ عنہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ فرمایا:-

ان اخوف ما اخاف  
علیکم الشوک الا صغر  
قالوا یا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم وما الشوک  
الا صغر قال الریاء  
ایضاً

میں سب چیزوں میں  
سب سے زیادہ جس چیز  
کا خوف تم پر رکھتا ہوں  
وہ شرک اصغر ہے صحابہؓ  
نے پوچھا یا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم شرک  
اصغر کیا ہے فرمایا دکھاؤ

امام سیہتی نے شعب الایمان میں اس روایت پر یہ الفاظ بھی مستزاد

کے ہیں کہ

يقول الله لهم يوم يحاذي  
العباد باعمالهم. اذ  
هبوا الى الذين كنتم  
تلاؤن في الدنيا فانظرو  
اهل تجدون عندهم جزاء  
وخيرا  
(مشکوٰۃ ایضاً ص ۴۵۶)

جن لوگوں کو اعمال کا بدلہ دیا جائیگا  
یعنی قیامت کے دن اللہ رب العزت  
ان دنیا کاروں سے کہے گا۔ جاؤ ان  
لوگوں کے پاس جنہیں تم دنیا میں دکھاتے  
تھے (جن کے دکھانے کیلئے تم نام نہا  
نیک اعمال کہتے تھے) پس دیکھو کیا تم  
ان کے پاس انکا بدلہ اور خیر پاتے ہو  
(یعنی انکے پاس سے کچھ بھی نہ ملیگا)  
اور تمہارے اعمال پر یہی اکارت جائی

گے م

کیونکہ اعمال کی جزا سزا کا انحصار قلبی ارادے اور نیت پر ہے اور جب نیت  
ہی فاسد ہو اور ذاتِ علیم و خیر کے سوا کسی اور کو اپنے عمل کا مقصد گردانا ہو تو ظاہر ہے کہ دلوں  
کے بھید جاننے والی ہستی ان اعمال کی جزا وہی دیگی جس کیلئے عمل کرنے والے نے عمل کیا ہوگا۔  
پہنچے جس دن دلوں کے بھید کھل جائیں گے۔ اندرون کی بیخستیں شہود کا جامہ پہن لیں گی  
پوشیدگیوں کا ہر مو جائیں گی۔ اور اعمال نیتوں کے قالب میں تمثال ہو کر سامنے آجائیں  
گے تو جنہوں نے ماسوا کے دکھانے یا سنانے کیلئے ناشی اعمال سے اپنے کو آرائش  
دی ہوگی۔ عرصہ محشر میں ان دل کے کھوٹوں۔ نام و نمود کے متوالوں کے اعمال جو صرف  
دکھا دے کی پرچائیاں تھیں، لوگوں کے سامنے ان کی بے ایمانی و غداری کا منظر  
ہر آنکھ پرکائی کا سبب بنیں گے (العیاذ باللہ)  
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔

عن جندب قال قال رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من  
 سمع سمع اللہ بہ ومن  
 یؤتی یؤتی اللہ بہ

جس لوگوں حضرت جندب رضی اللہ  
 تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے سنا  
 شہرت کیلئے) اپنے اعمال کو مشہور کیا۔

(مشکوٰۃ ص ۱۸۱ باب اریا وسعد ص ۹۶) اللہ تعالیٰ (جس) اس کے اعمال کی  
 (حقیقت و باطن) کی تشریح کریں گے۔ تاکہ اس کی رسوائی و فضیلت ہو (اُسی طرح) جس نے  
 لوگوں کے دکھاوے کے لیے (بغیر اخلاص) سے عمل کیئے اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کو  
 اس کے اعمال کی (حقیقت اصلی) سے مطلع فرمائیں گے۔ (تاکہ وہ اپنی نیتِ فاسدہ  
 کی بنا پر مدد نہ ہو)

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس سے زیادہ تشریح آتی ہے۔  
 پناخچہ محدث بہیقی شعب الایمان میں روایت کرتے ہیں۔

إنہ سمع رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم یقول من سمع  
 الناس بحملہ سمع اللہ  
 بہ اسامع خلقہ وحقیرہ  
 وصغیرہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔  
 جو شخص لوگوں کو اپنے اعمال (اپنی  
 شہرت اور نیک نامی کے لئے) سنا تا پھرتا  
 ہے۔ اللہ رب العزت لوگوں کے  
 کانوں تک اس کے (اعمال کی حقیقت)

(مشکوٰۃ باب اریا وسعد) اور اس کا خبیث اندرون پہنچا دیں گے۔ اور اسے حقیر و ذلیل کر دیں گے

(العیاذ باللہ)

نیات و ارادے ہی اعمال کی جان کا حکم رکھتے ہیں کہ ہر کام کی اچھائی برائی ان کے  
 مقاصد کے پیش نظر ہی کی جاسکتی ہے کسی کو لاکھوں روپے اور زر و جواہر کے ڈھیر صرف نام



و نمود، شہرت اور ذاتی نفع کے لئے دے ڈالنے سے کسی صاحبِ حاجت اور بے نوا کو اخلاصِ نیت سے چند پیسے و دینے بہتر ہیں کیونکہ ایک صرف اپنے خاد کیلئے مدد کر رہا ہے اور اسکی داد و بخش میں مدد کی اصلی روح مفقود ہے اور دوسرا اپنی ذات کو بھلا کر وجہ اللہ انسانی ہمدردی کے لئے کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ فطرتِ سلیمہ کی نظر میں یہ دوسرا پسے سے بدرجہا فائق ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بغیر اخلاص کے کثیر عمل سے بہتر ہے۔ چنانچہ ابن ابی حاتم نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَخْلَصُ دِينِكَ يَكْفِيكَ  
اَقْلِيلٌ مِّنَ الْعَمَلِ

دین میں اخلاص پیدا کر تو  
تھوڑا عمل تجھے کافی ہو جائیگا۔

اس دنیا میں بھی نیک نیتوں اور مخلصوں کے اعمال کی قدر کی جاتی ہے۔ اور دنیا کاروں کے اعمال کے "بیوت العنکبوت" چند دن میں کا لعدم ہو جاتے ہیں کہ روحِ عملِ نیت ہے۔ نیت حقیقی خالص ہوگی اعمال میں اتنا ہی نمود ہوگا۔ نیت اپنی قوت سے اعمال کی بقا کی ضامن ہے۔ نیات میں خلوص و حسن سے حقیقی قوت پیدا ہوگی اعمال میں اتنی ہی پائیداری آتی چلی جائیگی۔ اور نیت جس قدر تصنع اور ریاء سے ملوث ہو کر مضحل ہو چکی ہوگی۔ اعمال کا ثبات و قرار بھی اس قدر کم ہوتا چلا جائیگا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جن کے نخلِ نیت کو کفر و فتنہ نے جڑ سے کھوکھلا کر دیا، ان کے اعمال قطعاً بے جاں و بے وزن ہو کر تیلے کے قابل بھی نہ رہیں گے۔ گویا انہیں اپنے وہ اعمال کتنے ہی خوش نما معلوم ہوتے رہیں جیسا کہ آیت ذیل سے متبادر ہوتا ہے (واللہ اعلم بالصواب)

قُلْ هَلْ مَنَعَكُمُ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۚ الَّذِينَ ضَلَّ سَبِيلَهُمُ  
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُخْسِنُونَ

صُنْعًا هَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَايَهٗ  
فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا تُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ اِنْقِيَاطِهٖ  
وُزْنًا ط (الکہف ص ۱۲)

آپ ان سے کہیے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتلاؤ جو اعمال  
کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کئی  
کوائی محنت سب گئی گزری ہوئی۔ اور وہ (جو جہل کے) اسی خیال  
میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب  
کی آیتوں کا (یعنی کتب الہی کا) اور اس سے ملنے کا (یعنی قیامت کا) انکار کر  
رہے ہیں۔ سو اس لئے ان کے سارے کام غارت ہو گئے۔ قیامت  
کے دن ہم ان کے (بیک) اعمال کا ذرہ بھی وزن قائم نہ کریں گے۔

وجہ ظاہر ہے کہ جب بے روح، گلے بے رنگ و بو کی تدبیر میں کچھ  
بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح وہ اعمال جو للہیت و اخلاص و حسن نیت کے جوہر سے  
خالی ہیں بے جان لاشوں کی مثل ہیں۔ جو امتداد زمانہ اور مرد و رلام سے اپنے خبث باطن کی بنا  
پر زیادہ سے زیادہ خراب و متعفن ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور ان کا ظاہر ہی حسن و صورت کسی کام نہیں  
آتا۔ ان کا وجود عدم اور ان کا جسم تو وہ خاک ہو کر رہ جاتا ہے۔ جسے اس عالم میں باد  
حادث اڑا لیجاتی ہے۔ اور آنے والے میں حقائق کا انکشاف ہوا منثور بنا دے گا۔  
ارشاد ہوتا ہے :-

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ كَوْمَآءٍ اِشْتَدَّتْ بِهِنَّ الرِّيحُ  
فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَفِيْدُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى  
شَيْءٍ ط . ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۔

(ابراہیم ص ۳۰ -)

جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کی حالت باعتبار عمل کے یہ ہے جیسے کچھ راکھ ہو جس کو تیز آندھی کے دین تیزی کے ساتھ ہوا اڑا لیا مئے۔ ان لوگوں نے جو عمل کیئے تھے۔ ان کا کوئی حصہ ان کو حاصل نہ ہوگا۔ یہ بھی بڑی دور دراز کا گمراہی ہے۔

(ترجمہ حکیم الامت حضرت امام تھانویؒ)

کر کفر و ففاق کے ساتھ اخلاص و حسن نیت جوکہ اعمال کی جان ہے۔ جمع نہیں ہو سکتا۔ کہ اخلاص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اعمال کی بجا آوری کا نام ہے اور اس میں یہ شرط ہے کہ بجا آوری مطابق اولیٰ و احکام ہو۔ اس لئے کافر و منافق کا کوئی عمل اخلاص شرعی کا حامل ہو ہی نہیں سکتا اور اسی طرح خلاف شریعت اعمال بھی مطلوبہ اخلاص سے یکسر خالی سمجھے جائیں گے۔ گویا اخلاص کا دائرہ حدود اللہ اور سنت نبویہ کے محیط سے باہر نہیں۔ یعنی جس طرح اعمالِ صالحہ (امور شرعیہ) کی قبولیت کے لئے اخلاص ضروری ہے۔ اسی طرح اخلاص کے قبول کیلئے اعمالِ صالحہ کا ہونا ضروری ہے گویا قبولیتِ اعمال کے لئے اخلاص و عملِ صالح لازم و ملزوم ہیں اور ایک کے بغیر دوسرا نتائج کے اعتبار سے معتبر نہیں۔ غرض اعمالِ صالحہ کے لئے خلوص نیت روحِ حمد کا حکم رکھتا ہے جس طرح حمد بے روح کبھی کام کا نہیں اسی طرح اعمالِ غیر حسن نیت کے بے فائدہ بلکہ وبال ہے۔ اور ان کی بقا اور وزن کے لئے اخلاص کا وجود ضروری ہے :-

اعمال میں نیت کا یہی وزن ہے جس کے متعلق حقیقتِ اسلامیہ کے بڑے راز دار حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی حجتہ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

واعلم ان النية روح والعبادة جسد ولا حياة

للجسد بدون الروح ، والروح لها حياة بعد مفارقة  
 البدن ولكن لا يظهر آثار الحياة بدونهم ولذلك قال  
 الله تعالى لن ينال الله لحومها ولا دماؤها ولكن  
 يناله التقوى منكم وقال الرسول الله صلى الله عليه  
 وسلم : إنما الأعمال بالنيات وشبهه النبي صلى الله  
 عليه وسلم في كثير من المواضع من صدقت  
 شتيه ولم يتمكن من العمل لما نفع من عمل ذلك العمل  
 كالمسافر والمريض لا يستطيعان ورداً وطباً عليه  
 فيكتب لهما كصادق العزم في الانفاق وهو يملك  
 يكتب كأنه انفق واعنى بالنية المعنى  
 اباعث على العمل من التصديق بما اخبر به الله  
 على السنة الرسل من ثواب المطيع وعقاب العاصي  
 اودع بامثال حكم الله فيما امر ونهى ولذلك  
 وجب ان ينهى الشارع عن الريا والسمعة  
 ويبين ما ودهما اصرح ما يكون ضمن ذلك قوله  
 صلى الله عليه وسلم ان اول الناس يقضى  
 عليهم يوم القيمة ثلاثة رجل قتل في الجهاد  
 يقال هو رجل جري ورجل تعلم العلم وعلمه  
 يقال هو عالم ورجل انفق في وجوه الخير  
 يقال هو جواد فيومر بهم فسيحبون  
 على وجوههم الى النار وقوله صلى الله

علیہ وسلم عن اللہ تعالیٰ انا اغنی الشکرکار  
 عن (شکر من عمل عملاً) (شکر فیہ غیر ی  
 ترکته وشرکھ) (ما حدیث ابی ذر رضی اللہ  
 عنہ قیل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 ارایت الرجل یعمل العمل من الخیر ویجحدہ الناس  
 علیہ قال تلک عاجل یشری المومن فمغناہ  
 ان یعمل العمل لا یقصد بہ الا وجہ اللہ  
 فینزل القبول الی الارض فیحبہ الناس و  
 حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قلت  
 یا رسول اللہ بینا انا فی بیتی فی مصلائی اذ  
 دخل علی رجل فاعجبنی الحال الّتی رانی  
 علیہا قال رحدک یا ابا ہریرۃ لک اجر ان اجر  
 السرو اجر العلانیہ فمغناہ ان یتکون الاعجاب  
 مغلوبا لا یتبع مجردہ علم العمل واجر السر  
 اجر الاخلاص الذی یتحقق فی السرو  
 اجر العلانیہ اجر علانہ دین اللہ و  
 اشاعت السنۃ الراشدہ

(رحمۃ اللہ الباقیۃ جلد دوم مباحث الاحسان)

جان نو کہ عمل کی روح نیت ہے۔ اور عبادت اس کا  
 بدن ہے۔ اور بغیر روح کے بدن کی حیات نہیں ہوتی اور روح  
 کو مقارنت بدن کے بعد (بھی) (ایک قسم کی) زندگی نہ رہتی ہے۔ لیکن

زندگی کے آثار بغیر بدن کے پورے طور پر ظاہر نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (قربانی) کے بارے میں فرماتے ہیں ”قربانی کا گوشت اور عروہ اللہ کو تمہیں پہنچتا۔ لیکن تمہاری پیریزگاری کا جذبہ اس تک پہنچتا ہے“ (جو کہ اصلی مقصود ہے لیکن کیونکہ پیریزگاری جو کہ قلبی اتفاق کا نام ہے بغیر ظاہری صورت کے کمال طور پر تحقق نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ظاہری قربانی لازم آئی ورنہ اصلی مقصود الہی تقویٰ و نیت ہے ) اور اسی وجہ سے ( رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ اور اسی کی بنا پر ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مواضع میں اس شخص کو جس کی نیت صادق ہو۔ لیکن اس کو عمل کرنے سے کوئی چیز مائل ہو۔ اسے عمل کرنے والے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جیسے مسافر و مریض اگر ان کو صحت و اقامت کے وقت میں کسی وظیفہ کا التزام تھا۔ اور اب ان سے سفر و بیماری کی مجبوری کی وجہ سے وہ عمل نہیں ہو سکتا۔ تو بدستور ان کے نامہ اعمال میں وہ وظیفہ لکھا جاتا یا (اس شخص کی مثال ہے)

جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا پختہ و مستحکم ارادہ رکھتا ہے۔ مگر وہ تنگ دستی کے سبب سے نہیں کر سکتا۔ (اپنی نیت کی بنا پر) وہ شخص خرچ کرنے والے کے برابر لکھا جاوے گا۔ اور نیت سے ہماری مراد وہ معنی (مدعا و مقاصد) ہیں جو عمل کا (سبب اور باعث بنتے ہیں) اور عمل پر انسان کو براہِ نیتہ کرتے ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے مرسلین علیہم السلام کی مذہبی اطاعت کرنے والوں کا جو ثواب اور نافرمانوں کا جو عذاب بتایا ہے۔ اس کی تصدیق کرنی، یا خدا تعالیٰ کے امر و نہی کی بطیب خاطر

بجا آدمی سے خوش ہونا (کہ انسان میں نیک اعمال کی طرف مبادرت کرنے  
 کا ارادہ پیدا ہونے کی اصل یہی اسباب ہیں۔ انہی کی بنا پر نیکی کی خواہش  
 اور بدی سے نفرت ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے اتنا مال امر پر خوشی حاصل  
 ہونے کی عادت پیدا ہوتی ہے)۔ (جو کہ خالص نیت کی جڑ ہے) اسی وجہ  
 سے (یعنی نیت کو صاف کرنے کی ضرورت کی بنا پر) شارع علیہ السلام  
 کو دیا کہ (دکھاؤ اور سناٹا) سے روکنا پڑا اور ان کی باتوں کو مٹا  
 طور پر بیان کرنا لازم ٹھہرا۔ چنانچہ انہی وجوہات کی بنا پر (کہ اللہ کو خالص  
 نیت مقبول و منظور ہے۔ اور اعمال میں حقیقتاً نیت ہی مقصود ہے) دیا  
 اور محمدؐ کی برائی کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے  
 کہ لوگوں میں اول جن پر قیامت کے دن حکم کیا جائے گا وہ تین شخص ہیں۔  
 ایک تو وہ شخص جو جہاد میں اس لیے شہید ہوا کہ لوگ اسے دیکھیں۔ دوسرا  
 وہ شخص جس نے پڑھ کر علم دوسروں کو اس نیت سے سکھایا۔ تاکہ لوگ  
 اس کو عالم بتائیں۔ تیسرا وہ شخص جو نیکی کے مصداق پر مال خرچ  
 کرتا ہے۔ تاکہ لوگ اسے سخی کہیں۔ ایسے لوگوں کو (ان کے فساد  
 نیت کی وجہ سے) جہنم میں ڈالے جانے کا حکم کیا جائے گا۔ اور پھر  
 وہ چہروں کے بل دوزخ کی آگ گھسیٹے جائیں گے (دیا و محمد کی  
 خدمت میں) دوسری وہ حدیث قدسی ہے۔ جس میں ارشاد باری ہے۔  
 میں صاب شریکیوں سے زیادہ بے پرواہ ہوں جس آدمی نے سیکرے لے  
 کسی کو شریک کر کے کوئی کام کیا۔ تو میں نے اس کو مع اس کے شریک  
 کے (ناراض ہو کر) چھوڑ دیا۔

(اور نیات کی حقیقت کے بارے میں) جو حدیث حضرت ابی ذر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ اس آدمی کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ جو نیک عمل کرتا ہے اور لوگ اس پر اس کی تعریف کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا، ایمان والے کی یہ پہلی نشان ہے ۵

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص صرف اللہ کے لئے عمل کرتا ہے اور اس کا مقصد نمود و نمائش یا کوئی خواہش نہیں ہوتی۔ زمین پر اس کے لئے قبولیت (اللہ رب العزت ملا علی اور خلیفہ القدس کی رضا مندی کی وجہ سے) نازل ہوتی ہے۔ اور جو لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ (جس میں ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے گھر میں اپنی جائے نماز پر بیٹھا تھا کہ اسی اثناء میں ایک آدمی میرے پاس (غیر متوقع طور پر گیا) آگیا۔ میری طبیعت اس بات پر خوش ہوئی کہ اس شخص نے مجھے اس (عبادت کی) حالت میں دیکھا (یا رسول اللہ کیا یہ عجب سبب تو نہیں) آپ نے فرمایا اے ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجھ پر اللہ کی رحمت۔ تیسرے درجہ ہیں۔ ایک پوشیدہ گی کا اور ایک ظاہر کا۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عجب (انسان جو قلیع ہے) مغلوب ہو۔ اور صرف عجب انسانی عمل کا باعث و سبب نہ ہوا ہو۔ (کہ اعمال میں نیت مقدم ہے۔ یعنی اگر نیت شہتہ پر خوشی ہونے کی نہ تھی۔ بلکہ صرف اللہ رب العزت کے لئے کام کیا گیا تھا۔ اور بعد میں لوگوں کو معلوم ہوا۔ اور فطرتاً ہی اس اچھی حالت پر خوشی حاصل ہوئی۔ تو یہ بُرا نہیں کہ برائی تو اس وقت ہے جب مقصد ہی نیک اعمال شہتہ طلبی ہو۔



اجرا سِر (یعنی پوشیدگی کے اجر) سے اخلاص کا ثواب مراد ہے کہ  
 اخلاص ایک پوشیدہ چیز ہی تو ہے۔ اور اجر العسلانیہ (اجر  
 ظاہر) سے مراد ہے کہ اخلاص کو اللہ کے دین کے بلند کرنے اور سنتِ راشدہ  
 کی اشاعت کا اجر تجھے ملے گا۔ ذکر اس شخص نے اس حالت میں دیکھ کر یہ  
 معلوم کر لیا ہو گا کہ اللہ والے خلوت و جلوت ظاہر و باطن میں اسی کے ساتھ  
 مشغول رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ اس کی اصلاح کا سبب بھی  
 بن جائے اور اگر یہ نہ ہو تو کم از کم اسلحہ خیر تو ہو ہی گیا۔ جو  
 مقصد ہے۔)

شامِ صاحبِ قدس سرہ کے مسندِ رجبہ بالا مباحث سے یہ حقیقت  
 اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اعمال پر نیت کی ہی مددِ کلیتاً ساری و طاری  
 ہے۔ اور نیت نے عمل کو نور و ظلمت کے جس رنگ میں رنگ دیا ہے۔  
 انتشارے راز کے دن اعمال انہی نیت کے رنگین بہادوں میں ظاہر ہوں گے۔ فاس  
 یثتوں والے خفاؤ (پوشیدگی) کے اس اظہار و اعلان کے بعد اپنی خبیث  
 باطن اور برے ارادوں کو چھپانے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔ اور دائمی خسار  
 اور ٹوٹے میں پڑ جائیں گے۔

يَوْمَ تَبْلُو سُرُورًا فَمِنْ هُمْ مُؤْمِنٌ قَلِيلٌ وَلَا مَنَاصِرٌ

(الطارق ۱۰)

جس روز سب کی تلی کھل جائے گی۔ پھر اس  
 انسان کو نہ تو تو خود (ملاعت) کی قوت ہو گی۔  
 نہ اس کا حمایتی ہو گا

(ترجمہ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی)

اور جنہوں نے اپنے نیتوں کے سرخسے کو ہر قسم کی آلائش اور باطنی گندگی سے پاک  
 و مستزکھا ہوگا۔ اور اپنی نگاہیں۔ ذات قدوس پر جا کر اپنی نبات کا مقصد و محور اسی کو قرار دیا  
 ہوگا۔ ان کے اعمال کی سحرائی اور پاکیزہ ان مستشفات موتی کے دانے کی طرح ہوگی۔ جن  
 جن کا ظاہر و باطن اپنی جلیزیت اور شین و خوبی کی بنا پر دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ و گمراہ ہوگا۔  
 اور وہ فرحان و خندان اپنے اعمال نامے اس ہنگامہ دار و گیر میں انتہائی انبساط اور  
 کمال طمانیت سے لوگوں کو دکھاتے پھریں گے۔ اور پھر سرمدی فوز و کامرانی سے  
 ہمکنار ہو جائیں گے :-

يَوْمَئِذٍ تُقَرَّبُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ  
 فَأَمَّا مَنْ أَوَّلَ كِتَابِهِ إِيْمَانِهِ يَقُولُ مَا أُوْمُ  
 أَشَاعُوا كِتَابِيهِ مَا رَأَيْتُ ظَنَنْتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيهِ  
 فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ  
 قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ  
 فِي الْأَيَّامِ الْفَالِئَةِ .

(الحاقہ - ۱)

اس دن مانے کیے جاؤ گے چھپنے سے نہ رہے گی تمہاری کوئی چھپی بات۔  
 سو جس کو اللہ اس کا کلمہ مانے لہتہ میں وہ کہتا ہے۔ بھیکو پڑھو میرا  
 کلمہ۔ (احسانہ) میں نے خیال رکھا اس بات کا کہ مجھ کو ملے گا میرا حساب  
 سو وہ ہیں میں ماننے گزندان میں اپنے باغ میں۔ جس  
 کے میوے جھکے پڑے ہیں۔ کھاؤ اور پیو۔ بدلہ  
 اس کا جو آگے بھیج چکے ہو۔ تم پہلے دنوں میں۔

(ترجمہ شیخ الہند قدس سرہ)

دوسری جگہ ارشاد ہے :-

إِنَّكُمْ لَذَٰئِقُوا الْعَذَابِ الْأَلِيمِ ۖ وَمَا تَحْسُرُونَ  
إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ الْآعِبَادُ لِلَّهِ الْأَمْخِلَصِينَ ۚ  
أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ فَوَآكِهِ ۖ وَهُمْ  
مُكْرَمُونَ ۚ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۚ عَلَى سُرُرٍ  
مُّتَقَابِلِينَ ۚ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِنْ مَّعِينٍ ۚ  
بَيْضَاءُ لَذِيَّةٍ لِلشَّرْبِ بَيْنَ ۚ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ  
يُنْفَرُونَ ۚ وَعِنْدَهُمْ قُصُورَاتُ الْطَّرِيقِ ۚ  
كَأَنَّهُمْ بِمِزَانٍ يَمُوزُونَ ۚ

(والصّٰفّٰت ۲۰)

بے شک تم کو چکھنا ہے۔ عذاب دردناک اور وہی بدلہ  
گے جو کچھ تم کرتے تھے۔ مگر جو بندے اللہ کے لئے چنے  
ہوئے۔ وہ لوگ جو ہیں۔ ان کے واسطے روزی ہے۔  
مقدر، یوے اور ان کی عزت ہے۔ نعمت کے باغوں  
میں تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے۔ لوگ یہ پھرتے  
ہیں۔ ان کے پاس پیادہ شراب صاف کا سفید رنگ،  
نرو دینے والی پینے والوں کو، نہ اس میں سرسپرتا  
ہے اور نہ وہ اس کو پی کر بہکیں گے۔ اور ان کے  
پاس ہیں عذیتیں نیچے نگاہ رکھنے والیاں۔ بڑی آنکھوں  
والیاں۔ گویا وہ اللہ سے ہیں چھپے دھرے۔

(ترجمہ شیخ الہند)

سورہ احکاف کی مذکورہ بالا آیتوں میں ”لا تخفی منکم خافیہ“ کے الفاظ سے گویا اس طرف اشارہ پایا جا رہا ہے کہ جن خوش نصیبوں کو دے اپنے ہاتھ میں اعمالِ ناسے دیکر لذتِ برکات و برائعات سے نوازاجائے گا۔ ان کی چھٹی باتیں، ان کا اندرونِ باطن جس وقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائیں گے۔ تو ان کا اخلاص اور صدقِ باطن ہی ہوگا۔ جو ان کے اس اعزاز و اکرام کا باعث ہوگا کہ بغیر اللہ و ان کی سچائی کے کوئی عمل قابلِ اتقائے نہیں (واللہ اعلم)

اسی طرح سورہ والصفت کی نقل کردہ آیتوں میں اخروی فوز و کامرانی کے سزاوار وہی چنے ہوئے بندے (مخلصین) ہیں جن کے دل میں اخلاص راجح چکا ہے کہ اللہ رب العزت کے ہاں ہر نیکی کی قبولیت کی شرط اول اخلاص ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراخِ اخلاص کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر پورے دین کو ہی اخلاص کا مترادف قرار دیا ہے۔

— کہ جو طریقہ زندگی رحۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے عالم میں بھیجا گیا۔ وہ اپنے قلبی و روحانی نور سے ہی اجساد و ارجام کو منور بنا کر عالم کو لقیۃ نور بنانے والا ہے۔ یہ قلب و باطن کی صفائی و پاکیزگی سچائی و اخلاص ہی ہے۔ جو انسان کے اعضا و جوارح میں خالق کائنات کے اوامر کی قبولیت پیدا کر کے اسے ملائکہ کے فیضان قبول کرنے کے قابل بنانے اور رضا و قرب کی انتہائی منازل تک پہنچانے کا عادی سبب ہے۔

زبانِ نبوت شہادت دیتی ہے کہ  
سن لو! بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہو تو سارا  
جسم درست ہو جب وہ بگڑا تو تمام جسم بگڑا اور جان رکھو کہ وہ دل ہے۔  
(بخاری و مسلم)

الغرض ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی زندگی سراپا دل ہی دل  
 تو ہے۔ جس کے نور ہونے میں کاشانہ عالم کی روشنی اور جس کے بجھنے میں کمرہ ارضی کی  
 تاریکی و ظلمت مضمر ہے۔ قلوب کی زندگی کا نور صدق و اخلاص کا وہ عقیق جذیبہ  
 ہے جو انسان کو ایقان و عرفان کی دولت سے سرفراز کر کے بارگاہِ قدس کی  
 نزدیکی کا سبب بنتا ہے۔ قرب الہی کا زینہ نبویؐ زندگی کی کلید، اخروی فوز و  
 فلاح کا سبب دنیاوی کامیابی کا راز صرف اخلاص ہی تو ہے جس کی  
 عمومیت عالم کا گہوارہ رحمت اور انسان کو فرشتہ بنا سکتی ہے۔ جس  
 خوش نصیب کو یہ دولت ہاتھ آگئی۔ فوز و کامرانی کے انتہائی مدارج پر چاہیچھا  
 یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی زندگی کی تشکیل میں حسن نیت و اخلاص  
 کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے۔ قدم قدم پر اپنی نیتوں کی نگرانی اور قلبی کیفیتوں کی دیکھ  
 بھال کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ آج جب کہ نبویؐ زندگی کی تشکیل ہماری زندگیوں  
 میں عمومی طور سے ٹوٹ چکی ہے۔ اس مبارک زندگی کی طرف عود و اواس کی عمومیت  
 بھی نیتوں کی اصلاح اور اخلاص پر موقوف ہے کہ عظیم خبر و آقا کی بارگاہِ قدس سے  
 جو ملتا ہے۔ قلوب کی کیفیتوں کو ہی (عادتاً) دیکھ کر ملتا ہے۔ پس جس قدر ذراں کے آئینے  
 صدق و اخلاص سے روشن ہونگے۔ اسی قدر عالم قدس کا فیضان نصیب ہو کر نبویؐ  
 زندگی کی راہیں کھلیں گی۔ اور ظاہر و باطن «حقیقت محمدی» سے مستفیض ہوتا چلا جائیگا  
 کہ کوئی نہ کا حاصل حضور ختمی المرتبت صلی اللہ علیہ وسلم والی زندگی ہی تو ہے۔ جس کی ایک ادابھی  
 جان جا کر بھی نصیب ہو جائے تو خدا کی قسم کامیابی ہی کامیابی ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# تبلیغ



## دعوت

..... اور اس کے تقاضے .....

امت محمدیہ امت مبعوثہ ہے | حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک و تعالیٰ کا آخری پیام انسانیت کے نام لے کر آئے۔ اور آپ کے نائب و جوارح کی حیثیت سے آپ کی امت کو اس پیغام کا حامل و داعی بنایا گیا۔ اور اس دعوتی ملت کے وجود و قیام و بقا کو اسلام کی دعوت و جہد و محنت کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا۔ امت محمدیہ موعودہ امت مبعوثہ۔

ہے۔ جس کا مقصد و عالم میں برپا کئے جانے کا مدعا و دعوت الی الخیر و امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ نصوص قرآنی اور احادیث کثیرہ اس حقیقت پر شاہد ہیں۔

آیہ کریمہ :-  
 کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ  
 تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ  
 تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ  
 وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ .  
 تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے سامنے  
 کے لئے نکالی گئی ہے۔ تم لوگ نیک  
 کاموں کو بتلاتے ہو۔ اور بُری باتوں  
 سے روکتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان  
 لاتے ہو۔ (آل عمران - ۱۱)

اس بحث کا اعلان ہے۔

امّت کافر یضہ

مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس امت کا بہترین و خیر  
 امت ہونا اس کے داعیانہ مقام اور امر بالمعروف

و نہی عن المنکر ہونے کی حیثیت سے ہے۔

بقول امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ :-

مَوْثِقٌ خَيْرُ أُمَّةٍ بِسَبَبِ كَوْنِهِمْ  
 أُمُورٌ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْيٍ  
 عَنِ الْمُنْكَرِ  
 تمہیں خیر امت تمہارے نیکی کا حکم  
 دینے والے اور بُرائی سے روکنے  
 والا ہونے کے سبب سے بتایا گیا  
 ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۶)

حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے :-

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى  
 اللَّهُ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي  
 (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے  
 کہ یہ طریق ہے میں (لوگوں کو توحید)  
 خدا کی طرف اس طرح بلاتا ہوں۔ کہ میں

دلیل پر قائم ہوں میں بھی اور میری

فرمانبرداری کرنے والے بھی

علامہ ابو بکر جصاص رازی اس آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

فیہ بیان اللہ صغوث بدعاء  
الناس الی اللہ عزوجل علی بصیرۃ  
من امرہ کانہ یبصر بعینہ وان  
من اتبعہ فذلک سبیلہ فی  
الدعاء الی اللہ عزوجل وفیہ  
الدلالۃ علی ان المسلمین  
دعاء الناس الی اللہ تعالیٰ  
کما کان علی النبی صلی اللہ  
علیہ وسلم ذالک

اس آیت میں بیان ہے کہ آپ لوگوں  
کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے  
کیلئے صغوث کئے گئے ہیں۔ اس  
طرح کہ آپ اپنی دعوت (دین) کے  
بارے میں پوری بصیرت و روشنی رکھتے  
ہیں۔ گویا اس کی (حقانیت و حقیقت)  
کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔  
اور جو آپ کا متبع ہے۔ وہ بھی  
اللہ تعالیٰ کی طرف اسی بصیرت سے  
بلا تارے۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے۔  
کہ مسلمان بھی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی  
طرف اس طرح بلانے والے ہیں جیسے

(احکام القرآن ج ۳ ص ۲۲)

کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ذمہ داری تھی۔

مفسرین کثیر دیکھتے ہیں :-

یقول اللہ تعالیٰ (الرسول)  
صلی اللہ علیہ وسلم والی  
التقلین الحین والانس امراً  
لہ ان یخبر الناس ان ہذہ

اللہ تعالیٰ اپنے تقلین (یعنی) حین دین  
کی طرف مبعوث رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کو حکم فرماتا ہے کہ اے  
لوگوں کو خبر دے دیجئے کہ لا الہ الا اللہ



سبیلہ ای طریقہ ان لا الہ الا اللہ لا شریک لہ یدعوا الی اللہ بہما علی بصیرۃ من ذالک و یقین و برہان و کل من (تبعہ) یدعوا الی ما دعا الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و علی بصیرۃ و یقین و برہان عقلی و شرعی ۔

وعدہ لا شریک لہ کی شہادت کی طرف دعوت ہی ان کا راستہ ، طریقہ مسلک اور سنت ہے ۔ اس شہادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس پر دلیل و بصیرت ، یقین و برہان رکھتے ہوئے جاتا ہوں ۔ اور ہر وہ شخص جو ان کا متبع ہے ۔ اسی بات کی طرف بصیرت و یقین کے ساتھ دعوت دیتا ہے جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی ہے ۔

(تفسیر ابن کثیر ۲/ ۴۹۶) گویا آپ کے اتباع کا لازمہ آپ ہی کی طرح یقین و بصیرت کے ساتھ دعوت الی اللہ میں مشغول ہونا ہے ۔ اسی ذمہ داری کے پیش نظر خاتم النبیین حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی تربیت اس داعیانہ طرز پر فرمائی تھی کہ امت دین کی حامل اور داعی بن کر اللہ تعالیٰ کے پیام کو آپ کی نیابت میں قیامت تک پورے عالم کو پہنچاتی رہے بقول علامہ ابن حیان الاندلسی کے ۔

” پوری دنیا کو خیر کی ، کفار کو اسلام کی اور نافرمانوں کو اطاعت کی دعوت دیتی رہے “

(المعجم المحیط جلد ۳ ص ۲)

امت کے اس داعیانہ منصب و حیثیت کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ

سید اللہ مسیح سلیمان ندویؒ اور بعض دیگر علماء نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ قرار دیا ہے۔

حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت، عالمگیر و دائمی بعثت، قرآن کی ادیت کا منطقی لازمی ہیسی تھا۔ کہ آپ کی امت آپ سے فیض پا کر آپ کی پدایات و تعلیمات کو اپنا کر آپ کے جوارح اور نائب کی حیثیت سے ہمیشہ دعوت کا فریضہ انجام دیتی رہے۔ اور جملہ اقوام و ملل کا رشتہ خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین و احکام سے استوار کرتی رہے۔ تاکہ قیامت تک دعوت کا الہی نظام قائم و دائم رہے۔

محبتہ الموداع کے موقع پر آپ کا یہ بلیغ فقرہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

آلَا یبلغ شہادکم	تم میں جو حاضر ہیں غائب تک
غائبکم لا نبی بعدی	(میرا پیام پہنچا دیں کہ میرے
ولا امة بعدکم	بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور تمہارے
البدایة والانیة بحوالہ ابن کثیر ج ۵	بعد کوئی امت نہیں ہوگی۔

۲۰۴

صحیح بخاری و جامع ترمذی کی ایک روایت میں آپ کا قول ”وقل یشیع الشاہد الغائب“ نقل کر کے اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اثر بیان کیا گیا ہے

قوالذی نفسی بیدہ (نہا)	خدا کی قسم یہ کلمات حضور صلی اللہ صلی
لوصیته الی (امتہ)	اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کو وصیت
(صحیح بخاری باب خلعة پیام النبی)	مقتضی .

البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۱۹۳ بحوالہ

ترمذی حدیث من صحیح

بعض روایات میں اس حدیث کے آخر میں کچھ اور کلمات نقل کئے گئے ہیں۔

فان الشاهد عسی ان یبلغ من هوا و غی لہ منہ

ممکن ہے حاضر العلم شخص اس شخص تک اس علم کو پہنچا دے جو زیادہ اس علم کو سمجھانے (اور حق ادا کرنے) والا ہو۔

(صحیح بخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ربّ یبلغ اوعی من سامع)

اس مفہوم کی روایات ترمذی ج ۲ ص ۹ ابو داؤد ج ۲ ص ۱۵۹ اور ابن ماجہ

ص ۱۰ وغیرہ میں بھی ہیں۔ گویا یہ بتایا جا رہا ہے کہ کم علم والے زیادہ علم و سمجھ والوں تک بھی دین کی بات پہنچانے میں شرم و دریغ نہ کریں۔ کہ وین کی سرسبزی و شادابی اسی تبلیغ پر موقوف ہے۔ اسی مناسبت سے ارشاد ہے۔

نضر اللہ اصراۃ سبع منّا  
شیئا فبلغہ کما سفعہ  
اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے ہم سے (دین کی)

کوئی بات سنی پھر اسی طرح اسے

دوسرے تک پہنچا دیا

جامع ترمذی ج ۲ ص ۹۹

اس بات کے پہنچانے میں علم کثیر کی ضرورت نہیں، بلکہ ہدایت ہے۔

بلغوا عنی ولو آیت

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۱ و ایک آیت ہی (تم تک) پہنچی

ترمذی ج ۲ ص ۹۹) ہو۔

آپ نے وفد عبد القیس کو فرمایا:-

احفظوا وَاخبروا به من جو بیایات تمہیں دی ہیں (انہیں یاد

ورائکم رکھو اور جو تمہارے پیچھے (تمہاری

صحیح مسلم ج ۱ ص ۳) قوم ہے) اسے اس کی خبر پہنچا دو۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیبر میں جھنڈا عنایت کرتے ہوئے فرمایا:-

ادعہم الی الاسلام و انہیں اسلام کی طرف بلاؤ (اور اگر

ا خبرہم بما یحب علیہم اسلام قبول کر لیں) تو انہیں ان احکام

فواللہ لان یدہی بک کی خبر دے جو ان پر واجب ہیں، پس

واحد خیر لک من حصر اللہ کی قسم ہے کہ اگر تیری وجہ سے ایک

النعم شخص بھی ہدایت پا گیا تو میرے لئے

صحیح بخاری ص ۱۳۱) سرخ اڈوں سے زیادہ بہتر ہے

حضرت ابن سعد الساعدی کو بھی اسی طرح کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۹)

استقصا مقصود نہیں، کتاب وسنت کے وفاتر امت کے اس دعوتی منصب اور اس کے متعلقہ فرائض کے احکام و فضائل سے گرانبار ہیں، ان تعلیمات کا حاصل امام رازیؒ کے موجز الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے

کو نو امة دعاة الی الخیر ہو جاؤ تم ایک امت بھلائی کی

امورین بالعرف فاہین عن دعوت دینے والی، نیکی کا حکم کرنے

السنو کرنے والی، برائی سے روکنے والی

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۹)

انہیں بیایات کا نتیجہ تھا، اگر صحابہ کرام رضی عنہم ہر شخص امت کی بعثت کا مقرور اس سے پیدا

صحابہ کا نمونہ

شدہ تقاضوں کا داعی تھا، ان کا اسوہ اور کارنامے امت کی دھڑکی کی حیثیت کا ایک ناقابل انکار وہیں ثبوت ہیں۔ تاریخ و طبقات اور رجال کی کتابیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس دھڑکی کی زندگی سے پُر مشورہ ہیں۔ ان میں ہر فرد امت کی بعثت کا اعتراف و اعلان علی رؤس الاشہاد کرتا تھا۔

جعفر ابن ابی طالب نے نجاشی کے دربار میں، نعمان ابن مقرن نے بحلاہ ایران نیرنگ کے سامنے اور مغیرہ ابن شعبہ نے رستم کو مسلمانوں کے سفراء کی حیثیت سے امت کے منصبی مقام کے متعلق جو کچھ بیان کیا، وہ اس دھڑکی کی ہی دلیل ہے۔ ربیع ابن عامر رضی اللہ عنہ نے ایرانی سپہ سالار رستم کو اس بارے میں جو کہا تھا آج بھی ہر مسلمان کے لئے منشور ہدایت ہے۔  
فرمایا:-

اللہ (تبعثنا لخرج من شاء  
من عبادة العباد الى عبادة  
الله ومن ضيق الدنيا الى  
وسعتها ومن جور الاديان  
الى عدل الاسلام فاد  
سلنا بدینه الى خلقه  
لندعوهم اليه

اللہ تعالیٰ نے ہمیں مبعوث فرمایا ہے،  
تاکہ جیسے اللہ چاہے ہم اسے لوگوں  
کی بندگیوں سے نکال کر اللہ تعالیٰ  
کی بندگی میں اور دنیا کی تنگی سے  
نکال کر اس کی فراخی میں اور  
باطل (مذہب کے ظلم سے نکال کر  
اسلام کے عدل و انصاف میں داخل  
کریں، پس اس نے ہمیں اپنے  
دین (کے پیغام) کے ساتھ بھیجا  
جسے تاکہ ہم انہیں اس کے دین کی  
طرف بلائیں۔

(البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر  
جلد سوم ص ۳۹)

## ہر صحابیؓ داعی تھا

ہی احاسن تھا جس کی وجہ سے صحابہ رضہ کا ہر شخص

ایمان لاتے ہی داعی بن جاتا تھا، ابن اثیر الجزری رح

نے اُسد الغابہ میں کئی صحابہ رضہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ ایمان لائے، اور پھر اپنے قبیلہ کو دین کی دعوت دی۔ (ودعا قومہ الی الاسلام)

اسد الغابہ ج ۴ ص ۲۲۹

یچھدان سمجھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا یہ خاصہ تھا

کہ جو بھی آپ کے دستِ پاک پر اسلام سے مشرف ہوتا تھا، انسان ہو یا جن ایمان

کے نور کے ساتھ دعوت کا داعیہ و جذبہ، اور اس کے لئے قربانی و ایثار جہد و جہد

کا غلبہ اس کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا تھا، صحابہ رضہ کے کارنامے اس

پر شاید ہیں، مثال کے لئے ابتداء اسلام میں صرف ابوبکر صدیق رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان و دعوت اور جنات کے ایک گروہ کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں

جو ایمان لاتے ہی سراپا دعوت تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام کی

دعوت دیتے ہوئے) فرمایا، میں اللہ کا

رسول ہوں، اور تجھے اللہ کی طرف

بلاتا ہوں، جب آپ کی بات ختم ہوئی

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لے

آئے (ان کے اسلام لانے کے بعد)

ابوبکر رضہ کے پاس رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم چلے گئے۔ اور مکہ کی

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سأدانی رسول اللہ اذ عول الی

اللہ فلما فرغ من کلامہ

اسلم ابوبکر فانطلق عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وما بین الاخشبین احدا

کثر سرا ورا منہ باسلام

ابی بکر وعضی ابوبکر فراح

لثمان بن عفان، وطلحتہ

بن عبید اللہ والذہیر بن  
العوام وسعد بن ابی وقاص  
فاسلموا ثم جاء الغدبعان  
بن عطفون وابی عبیدۃ بن  
الحیراج وعبد السرحلین  
بن عوف وابی سلمہ بن  
عبد الاسد والارقم فا  
سلموا رضی اللہ عنہم

(البدیۃ والنہایۃ ابن کثیر  
مبدیہ ص ۳۳)

ابن اسحاق اس سلسلے میں لکھتے ہیں :-

فلما اسلم ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ  
عندہ واطهر اسلامہ دعا الی  
اللہ عز وجل

(اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۳، البدیۃ والنہایۃ ص ۳۳)

ابن اثیر نے لکھا ہے :-

فجعل یدعوا الی الاسلام من

و در پہاڑیوں کے درمیان آپ سے  
زیادہ ابو بکرؓ کے ایمان پر کوئی شخص  
خوش نہ تھا، ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
بھی لوٹے اور عثمان بن عفان، طلحہ بن  
عبید اللہ، ذہیر بن العوام، سعد  
ابن ابی وقاص کے پاس گئے۔ (اور  
انہیں اسلام کی دعوت دی) اور وہ سب  
اسلام لے آئے، پھر دوسرے دن  
عثمان ابن مظعون، ابو عبیدہ بن الجراح  
اور عبد الرحمان بن عوف، ابی سلمہ  
بن عبد الاسد اور الارقم کو نیکر  
آئے انہیں اسلام کی دعوت دی  
اور سب اسلام لے آئے  
رضی اللہ تعالیٰ عنہم

یعنی جب ابو بکر اسلام لائے اور  
اسلام کو ظاہر کیا، اللہ تعالیٰ  
کی طرف (لوگوں کو) دعوت دی۔

(یعنی جب ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے تو)

یغشاہ و مجلس الیہ

جو لوگ ان کے پاس آتے تھے اور  
بیٹھے تھے، برابر انہیں اسلام کی دعوت

(اسد الغابہ جلد دوم ص ۳۶) دیتے تھے۔

چنانچہ اسی بنا پر آپ کے ہاتھ پر مشہور کے پانچ افراد کے علاوہ ایک پوری  
جماعت اسلام سے مشرف ہوئی۔ (اسلم علی یدہ جماعۃ)  
(اسد الغابہ تذکرہ عثمان)

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشغلہ  
ایمان لاتے ہی دعوت و تبلیغ بن گیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس  
جنت کا ایک گروہ آیا، قرآن سنا اور ایمان لایا اور اپنی قوم کی طرف جب لوٹا، تو وہ  
اسلام کا داعی تھا،

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَإِذْ صَرَّفْنَا إِلَيْكَ نَافِثًا مِّنَ الْحَيِّ  
يَسْتَحْضِرُونَ الْقُرْآنَ جَ فَلَمَّا  
حَضَرَ قَوْمًا قَالَ الْاَصْلُ جَ فَلَمَّا  
قَضَىٰ وَلَوْ اَلَىٰ قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ  
قَالُوا لَيَقُوْمُنَا اَنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا  
اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰى  
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ  
يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلَى طَرِيْقٍ  
مُّسْتَقِيْمٍ لِّقَوْمٍ اٰجِسُوْا دَاعِي  
اللّٰهِ وَ اٰمَنُوْا بِهٖ لَعَلَّكُمْ

ہم نے جب جنوں کی جماعت کے رخ  
کو اسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تیری طرف  
پھیر دیا کہ وہ قرآن سنیں تو جب وہ آئے  
تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا  
چپ رہو، جب قرآن ختم ہو گیا، تو  
وہ اپنی قوم کے پاس گئے کہ انہیں  
خبردار کریں، انہوں نے جا کر کہا،  
بھائیو! ہم نے ایک شریعت کا کتاب  
کو سنا، جو موسیٰؑ کے بعد اتاری  
گئی ہے اس کے پہلے جو کتاب



مِنْ ذُلِّكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِنْ  
عَذَابِ الْيَمِّهِ

آئی ہے ، اس کی تصدیق کرتی  
ہے ۔ اور سچائی اور سیدھی راہ بتاتی  
ہے ۔ اسے جھٹکنا اور اخلہ کے پکارتے والے  
کو قبول نہ کر دے ، اور اس پر ایمان لاؤ ،  
تاکہ وہ تمہارے گناہوں کو معاف کرے  
اور دردناک عذاب سے تم کو پناہ دے

(احقاف - ۲)

بہر حال مقصود یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جن ہوں یا انسان ، ایمان لاتے ہی دین  
کے داعی اور مبلغ بن جاتے تھے ۔ وقت کی قلت مانع ہے ۔ ورنہ تفصیلاً بتایا جاتا ، کہ اسلام  
کے ان ابتدائی پیروکار طالبانِ حق و داعیانِ اسلام کی جماعت نے جن کے مجاہدات اور  
خون سے دین کا باغ برگ و بار لایا ، کس طرح اپنی جانوں پر سہہ کر ، آگ و خون و مصائب  
و آلام ، شدائد و بلا ، فقر و فاقہ ، ہجرت و فرار کے ذریعہ گداز مراحل میں سے گزر کر  
ایمان و عمل صالح کا نمونہ اور دولت و تسلیغ کا اسوہ پیش کیا تھا ، ایک بات واضح و آشکار  
الفاظ میں کہنا چاہتا ہوں ، کہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کے دست مبارک پر ایمان کا عہد و پیمان باندھا ، سابقین صحابہ رضی اللہ عنہم سے وہ  
ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، عثمان و حیدرہوں ، یاسیب و بلال ، عمار  
و یاسر یا بعد کے آنے والوں میں عکرمہ و حارث ، سہیل و وحشیہوں (رضی اللہ عنہم اجمعین)  
سب کی زندگیوں کا خصوصی امتیاز بیعتِ ایمان سے لے کر لٹائے رب تک ایمان و  
عمل صالح کی کوشش کے ساتھ دولت و تسلیغ اقامتِ دین و علاءِ کلمۃ اللہ کی  
مسئل و پیغامِ جہد و محنت ہے ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی میں شخصی اعمال اور اجتماعی  
حقوق و فرائض کی ادائیگی اور داعیانہ کوششوں میں دوئی کہیں نظر نہیں آتی  
ایمان لاتے ہیں ، ذاتی اصلاح و شخصی اعمال کی فکر و پابندی کے ساتھ دعوت کے

لئے تن من و حن کی بازی لگا رہتے ہیں۔ اور موت کے وقت تک اعیاد و فرورغ دین کے لئے  
کوششوں اور قربانیوں میں کمی نہیں ہوتی :-

قرآن گواہی دیتا ہے :-

مِنْهُمْ مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ  
وَمَا بَدَّلُوا آتِبَدِيلًا

پس بعض ان میں سے وہ ہیں، جنہوں  
نے پورا کر دیا - اپنا عہد (یعنی  
جہاد میں جان دے دی) اور بعض وہ  
ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں، اور انہوں  
نے نہیں بدل ڈالا۔ کچھ بدل ڈالنا (یعنی

اپنے عہد و نا کو نہیں بدلا)

بلکہ ان کی غیرت ایمانی اور اشاعت و بقائے حق کا والہانہ جذبہ دین میں ادنیٰ کوتاہی  
کو برداشت نہیں کر سکتا تھا، اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آ جاتا تو بے قرار ہو جاتے،  
سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور فقرہ "ایقظ الدین  
و انا حي" اور حضرت انس بن النضر کا قول "و

قومو فموتوا علی ما مات بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم"

(زاد المعاد ابن قیم ص ۹۳)

اسی ذہنیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ صحابہ رض کا کوئی طبقہ ہمیں معلوم نہیں جو اپنے علم و استعداد  
کے بقدر دین کا حال و دلی نہ ہو۔ صحابہ رض کا یہی دایمانہ مزاج اور دین کی اشاعت  
کے لئے والہانہ و سرفروشانہ جذبہ تھا، جس کی وجہ سے اسلام تیس سال کے  
قلیل عرصے میں عالم کی سب سے بڑی روحانی و سیاسی طاقت بن گیا،  
علامہ ابن کثیر نے تفسیر میں ایک موقع پر کیا خوب لکھا ہے :-

وقد كان للصحابۃ رضو اللہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بہادری

عنہم فباب الشجاعة  
 والانتداب امرهم الله و  
 رسوله به و امتثال ما ارشد  
 هم اليه مالم يكن لاحد من  
 الامم والقرون قبلهم  
 ولا يكون لاحد من بعدهم  
 فانهم ببركة الرسول صلى  
 الله عليه وسلم وطاعة  
 بما امرهم فحقوا القلوب  
 والاقاليم شسفا وغربا في  
 المدة اليسيرة مع قلة عددهم  
 بالنسبة الى جيوش سائر  
 الاقاليم من الروم والفرس  
 والترك والصقالية و  
 البربر والجيوش واصناف  
 السودان وقبط وطوائف  
 بني آدم، فظهر والجميع  
 حتى غلبت كلمة الله  
 وظهر دينه على سائر  
 الاديان وامتدت الممالك  
 الاسلامية في مشارق الارض

وشجاعت اور اللہ تعالیٰ و رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی  
 فرمانبرداری اور ان کی ہدایات و پیروی  
 تحصیل میں وہ اونچا مقام اور درجہ  
 ہے جس تک اہم سابقہ اور قرون  
 ماضیہ میں کسی کی رسائی نہ ہو سکی تھی۔  
 اور نہ اس بلندی پر ان کے بعد کوئی پہنچ  
 سکا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور  
 آپ کے احکام کی تابعداری کی وجہ  
 سے خود سے سی مدت میں مشرق سے  
 مغرب تک قلوب و ممالک کو فتح کیا،  
 اور اسی قوت مقدسہ کے باوجود، جو روم  
 ، فارس ، ترک ، صقلیہ ، بربر جنش  
 قبائل سوڈان و قبط اور مدسکر  
 انسانی طبقات و ممالک کی فوجوں کے  
 مقابل میں تھی۔ انہوں نے سب  
 کو مغلوب کر لیا ، یہاں تک کہ  
 اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو گیا ،  
 اور اس کا دین تمام ادیان پر  
 غالب آ گیا ، اور ممالک اسلامیہ

وَمِنَ الْمُؤْمِنِينَ قَلِيلٌ مِّنْ ثَلَاثِينَ  
تیس سال سے بھی کم مدت میں  
سُنَّةَ فُرُغَى (لِلّٰہِ عَنْہُمْ و  
روئے زمین کے مشرق و مغرب  
میں پھیل گئے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد دوم ص ۳۱۶)  
(رضی اللہ عنہم وارضاہم (جمعین)  
صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اقامت دیں، اشاعتِ اسلام، تبلیغ و جہاد  
کے فرائض کو کمالِ انتہا تک، پورے فکر، کامل مستعدی اور بے  
جھگڑی سے ادا کر کے خیرِ الائم کی آئندہ نسلوں کے لئے نمونہ قائم کر دیا،  
کہ یہ شاہد علی الناس، آخر الائم خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت  
میں تاقیام قیامت، ہدایتِ خلق، تعلیم کتاب و حکمت، تربیتِ نفوس، تزکیہ  
قلوب، اجراء احکام الہی، نفاذِ شریعت، کے پیمبرانہ فرائض اس کی روشنی میں  
ادا کر سکے تاکہ عالم میں عدل و انصاف کی خدائی میزان قائم ہو، اللہ تعالیٰ کی حجت  
بمردوں پر پوری ہو۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ عمومی کا  
مقصود پوری ہو۔

اِیْرَ شَاد بَارِیْ ہِے ا-  
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً  
وَسَطًا لِتَكُوْنُوْا شٰہِدًا  
عَلٰی النَّاسِ وَیَكُوْنُ  
الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شٰہِدًا  
(البقرہ — ۱۴)  
اور تم کو ایسی جماعت بنا دیا،  
جو ہر پہلو سے نہایت اعتدال  
پر ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ  
ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم تم پر گواہی دینے

والا ہو۔

گو یا یہ ملتِ حادۃ اس عالم میں اقوامِ عالم کو اعتدال و انصاف کے الہی

اصولوں پر چلانے کی اور عدل کے ربانی میزان کو برابر رکھنے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی ہے۔  
عالم آخرت میں بھی اس کی عادلانہ گواہی اُنہم سابقہ پر میزان عمل کے وقت فیصلہ کن ثابت  
ہوگئی۔ کہ یہ خیر الامم، دین میں مراد آئی کے شیوع و اجراء دین ربانی کے پھیلنے کا  
ذریعہ ہو، اور عالم معاد میں خدائی انصاف کی تکمیل پر اس کی زبانِ عدل آخری  
بہر ثبوت کرے۔

اسی مضمون کو سورہ حج کے آخر میں مزید تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا

ہے :-

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ	اور اللہ تعالیٰ کے کام میں خوب
حَقَّ جِهَادٍ هُوَ اخْتَبَكُمْ	کوشش کیا کرو، جیسا کوشش
وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي	کرنے کا حق ہے، اس نے تم کو ادا
الدِّينِ مِنْ حَرْجٍ	اتوں سے) ممتاز فرمایا، ادا اس
وَمَلَّةٍ اَبَيْكُمْ اِبْرَاهِيمُ و	نے تم پر دین (کے احکام) میں
هُوَ سِتُّكُمْ الْمُسْلِمِينَ مِنْ	کسی قسم کی تنگی نہیں کی، تم
قَبْلُ وَفِي هَذَا يَكُونُ الشَّهِيدُ	اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام)
شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا	کی (اس) ملت پر عیشہ قائم رہو
شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ	اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

(تذوقِ قرآن سے) پہلے بھی اور  
اس قرآن میں بھی تاکہ تم پر رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں۔ اور  
تم لوگوں کے اوپر گواہ ہو۔

(الحج)

## امرت عززت و قعود کی زندگی نہیں گذار سکتی

ظاہر ہے کہ ایک ایسی امت جو دنیا میں  
اللہ تعالیٰ کی خلافت، انبیاء علیہم السلام  
اور خاص کر اپنے نبی سیدنا حضرت محمد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور جملہ انسانیت کی طرف بعثت کے جلیل نوازی گئی،  
جو جو نسل انسانی کی قیامت تک نگران بنائی گئی ہو۔ جسے وجود ہی دنیا میں نظام  
عدل کے قائم کرنے، احکامِ الٰہی کے پہنچانے اور جملہ اقوام و ملل کے لئے خیر و  
بھلائی کا نذر، تقویٰ و ہدایت کا امام و پیشوا بننے کے لئے خیر و خیرات کا منبع  
مخصوص ہی دولت الٰہی الخیر، رہنمائی خلق، اشاعتِ احکام، اقامتِ دین، امورِ مسرور  
و نہی عن المنکر جو جس کا وظیفہ بنی آدم کے قلوب کا تصفیہ و تزکیہ، اخلاقِ عالیہ کی  
حفاظت اور اسی رنگ کا عالم میں نکھارنا ہو، کس طرح غفلت و قعود، عزت و  
رہبانیت کی زندگی گذار سکتی ہے؟ اس منصب رفیع اور مقاصد و فرائض عظیمہ  
کا قاضیہ اور لازمہ ہی دعوت و تبلیغ، جہد و جہاد، اور اقامتِ دین کے  
متعلق جملہ امور کی کوشش ٹھہرتا ہے۔ وہ تخت پر ہو یا بوریاء و فقر پر، ہر حال و  
ہر حالت میں ہر مقام و ہر وقت وہ دائمی امت ہے، اور اشاعتِ حق و اقامتِ  
دین کی کوشش میں مشغول و مصروف چنانچہ اس کا صحیفہ آسمانی دعوت و جہاد فی  
اللہ کے نعروں سے پُر ہے۔

بقول علامہ ابن تیمیہؒ کے :-

والقہ آن مقصودہ بیان  
الحق و دعوة العباد الیہ  
(کتاب الرد علی المنطقیین)

قرآن کا مقصود حق کا بیان اور  
اس کی طرف لوگوں کو دعوت  
دینا ہے

(۴۶۸)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ سراپا ولایت اور (انما بعثنی اللہ مبلغاً

(ترمذی جلد دوم ص ۱۶۷)

کا عملی بیان ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور صلحا اے امت کا اسوہ اسی منصب جلیل کے بقا و قیام کی جدوجہد کا عالی شان منظر و مظہر ہے، اسلام کا دینی ذخیرہ کتب اور عملی رفتار اس عظیم ذمہ داری کے احکام و ہدایات سے روشن ہیں۔ اس بنا پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر، ولایت الی اللہ اور جہاد بالقرآن کا جہاد تمام و احمیت اس امت میں رہی ہے۔ اس کی نظیر دوسری اقوام و مل میں مقصود ہے۔ قرآن کریم نے ولایت بالقرآن کو جہاد کہہ کر قرار دیا ہے :-

ارشاد ہے :-

فَلَا تَطْعَ الْكُفْرَيْنِ وَجَاهِدْ  
حُمَہ جہاد اکبیراً  
تو کافروں کا کہنا نہ مان، اور بذریعہ  
قرآن کے تو ان سے جہاد کر بڑا جہاد  
(فرقان - ۵)

امام ابو بکر جصاص رازی رحمہ اللہ نے اس پر قابل وید بحث کی ہے۔ اور اس جہاد یا بعلم کو جہاد بالقس و جہاد بالمال دونوں سے افضل قرار دیا ہے اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لئے اس جہد و جہاد کے متعلق امام موصوف ارقام فرماتے ہیں :-

لیس بعد الايمان بالله  
ورسوله فوض اكد ولا  
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ

اولیٰ بالایجاب من الجہاد  
وذلك انه بالجہاد یکن  
بعد کوئی فرض اتنا محکمہ اور واجب

ظہار الاسلام واداء  
الفرائض وفي ترك الجہاد  
میں اولیٰ نہیں ہیں جس قدر جہاد

ہے کہ اسلام کا ظہور و غلبہ اور  
فرائض کی ادائیگی (دین کے فروغ

لئے اور اس کا وسیع ہے۔

غلبة العدو و روس الدين  
و ذهاب الاسلام

واعلاء كلمة الله کی محنت (جہاد پر  
ہی موقوف ہے اور اس (دینی محنت)  
و جہاد کے ترک کا لازمی نتیجہ دشمن کا  
غلبہ، دین کا مٹنا اور اسلام کا

(احکام القرآن جلد سوم ص ۲۸۱) رخصت ہو جانا ہے۔

یہاں یہ بات عرض کر دینی مناسب ہوگی کہ ایرانی جرنیل کے اس سوال کے جواب میں  
کہ دین حق کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان اور ماجادہ البنی صلی اللہ  
علیہ وسلم کے اقرار کے بعد نبی و بنی شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی دعوت کی کوشش ہی کو اسلام  
کا نبیادی کل قرار دیا تھا۔

ان کے الفاظ ہیں :-

واخراج العباد من عبادة  
العباد الى عبادة الله.

(شہادتیں اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔ اس  
کے بعد) سب اچھا عمل لوگوں کو نکلوت  
کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی

البدایة والنهاية جلد ہفتم ص ۳۹  
میں داخل کرنا ہے

امام غسزالی رح نے کیا خوب لکھا ہے :-

فان الامر بالمعروف والنهي  
عن المنكر هو القليب الاعظم  
في الدين وهو البهم الذي  
ايستل الله له النبيين اجمعين  
ولو طوى بساطه واهل علمه

امر بالمعروف ونهي عن المنكر دین کا  
ملا اعظم ہے یہی وہ مہم (اہم ترین  
مقصد) ہے جس کے لئے تمام انبیاء  
علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا۔ اگر اس  
بساط الٹ جائے تو اس کے علم علی



وعلمه اعطيت النبوة واضمحلت  
 الديانة وعلمت الفقره ونشت  
 الضلالة وشاعت الجهالة و  
 استرى الفساد واتسع الخرق  
 وخربت البلاد وهلك  
 لبلاد ولم يشعروا بالهلاك  
 الا يوم التناد  
 سے غفلت برتن جائے تو نبوت ہی  
 معطل و بے کار ہو جائے ، دین  
 مضل ہو جائے اور جہالت پھیل  
 گرا ہی عام ہو جائے اور جہالت  
 پھیل جائے ، فساد چھا جائے ،  
 بربادی وسعت اختیار کرے ،  
 ملک برباد اور مخلوق ہلاک ہو جائے  
 اور اس تباہی کا احساس بھی اتنا سر

( احیاء المسمومین جلد ۲ ص ۳۶ )  
 امت کی منصبی ذمہ داریوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت کو بھی دین کی نصرت  
 کے ساتھ مشروط کر دیا ہے ۔ اور دین کی نصرت کرنے والوں کو اپنی مدد کا پختہ یقین  
 دلایا ہے ۔

ارشاد ہے :-  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن  
 تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ  
 وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ  
 اے ایمان والو اگر تم مدد کرو گے  
 اللہ کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا ،  
 اور جمادے گا تمہارے پاؤں ۔

( محمد - ۱ )  
 وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ  
 إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ  
 ( الحج - ۶ )  
 اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور مدد کرے  
 گا ، اس کی ، جو اس کے ( دین کی )  
 مدد کرے گا ، بے شک اللہ تعالیٰ نذیر

ہے زور والا ،

اس بنا پر جب امت اپنے فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں غفلت برتے گی۔ تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے (مدد کی) دعائیں مانگے گی، وہ بھی قبول نہیں ہوگی۔  
ارشاد نبویؐ ہے۔

مروا بالمعروف وانہوا عن المنکر قبل ان تدعوا اللہ فلا یتجیب لکم وقبل ان تستغفروہ فلا یغفر لکم (کنز العمال جلد دوم ص ۴۶)	یہی کا حکم کرو اور برائی سے روکو۔ پیشتر اس کے کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو، اور وہ قبول نہ ہو اور پھر اس کے کہ اس سے مغفرت مانگو اور تمہیں نہ بخشا جائے۔
(بجوالہ احمد عن ابن عمرؓ)	

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا :-  
اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کہ تم ضرور یہی کا حکم کر دو گے اور برائی سے روکو گے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر جلد عذاب بھیجے گا۔ پھر تم دعا کر دو گے وہ بھی قبول نہیں ہوگی۔

(مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف بحوالہ الترمذی)

اس قسم کی متعدد روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں۔  
امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی یہی اہمیت ہے، جو مسلمانوں کو سلطنت و حکومت میں بھی اس فریضہ کی ادائیگی سے غافل نہیں رکھتی بلکہ مسلمانوں کو اگر تمکن فی الارض بخشا جاتا ہے، تو وہ شخصی و اجتماعی اولیاء الہیہ کو نافذ اور عام کرنے کے لئے ہی صلا ہو تا ہے،  
قرآن کریم کا ارشاد ہے :-

الَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنَّهٗمْ فِي  
 الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ  
 اٰتَوْا السَّكٰوةَ وَاٰمَرُوْا بِالْعِزَّةِ  
 وَهُمْ عَلٰى الْمُنْكَرِ ؕ وَ  
 بِاللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْر  
 (الحج - ۶)

وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں  
 ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز  
 اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے  
 کام کا اور منع کریں برائی سے اور  
 اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے آخر  
 ہر کام کا

غرض امت کی جان و موت الی اللہ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، امت  
 میں جس قدر ان اعمال کی پابندی ہوگی۔ دنیوی و اخروی فوز و کامرانی سے سرفراز  
 ہوگی۔ اور جس قدر ان اعمال میں کوتاہی واقع ہوگی۔ امت زوال و انحلال میں  
 مبتلا ہوگی۔ دین کی نصرت پر اللہ تعالیٰ کی نصرت آتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نصرت  
 پر قبول ہدایت کے لئے دروازے مفتوح ہوتے ہیں۔ اور افراد و اقوام دین میں داخل  
 ہوتی ہیں

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَ  
 وَاٰتَی النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ  
 دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَجَآءَ  
 (نصرت)

جب خدائی مدد اور فتح آجائے  
 اور تو لوگوں کو خدا کے دین میں جوق  
 جوق آتا دیکھ لے، تو اپنے رب کی تسبیح  
 اور حمد کرنے لگ اور اس سے مغفرت

مانگ، پر شک وہ محان کرنے والا ہے :-

(ترجمہ ابن کثیر ص ۳۳)

سے یہ مستفاد ہوتا ہے جس کی مؤید بے شمار آیتیں اور احادیث

ہیں :-

## امت کا خصوصی طرز تربیت

گفدہ چکا کہ یہ خیر الامم ایک دائمی امت ہے۔ جو تمام عالم کے انسانوں کی طرف جملہ انبیاء اور خصوصاً خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں ہدایت اور دین بانی کی دعوت و اشاعت کے لئے مبعوث کی گئی ہے۔ منصب نبوت و رسالت و خالص نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد اس امت کو انبیاء علیہم السلام کے مثال ان فضائل و کمالات، خصائص و مزایا سے سرفراز کیا گیا۔ جو مختص بالنبوة نہیں (چنانچہ اس مشابہت کی روایات کثر الحال وغیرہ نے نقل کی ہیں دیکھو ۲۳۲، ۲۳۳) چنانچہ اس امت کو من حیث الامت صلاح شخصی، تربیت ذاتی و نفسی اور دعوت خلق و اصلاح بنی آدم کا وہ جامع و مانع نظام ہدایت و تربیت عطا فرمایا گی، جو انبیاء علیہم السلام کے طرق تربیت و دعوت سے مشابہت رکھتا ہے۔ جو حضرت فردوجاہت کی صلاح و فلاح تربیت و ترقی کا ایک وقت کیل ہوتا ہے، حضرات انبیاء کا فرض منصبی دعوت و تبلیغ تھا۔ ان کی حیات اشاعت دین و ترویج احکام کی کوشش کا دوسرا نام ہے۔ اپنے وظائف زندگی کے ساتھ اپنے شخصی و نجی عبودیت و عبودیت دالے کے پابند رہتے تھے۔ گوارت کے لئے ان کے یہ اعمال بھی دین کے قابل اتباع احکام کا حکم رکھتے تھے۔ بہر حال ان کی ناسوتی زندگی میں ان کی ترقیات خصائص نبوت، و مہمات خاصہ کے علاوہ دعوت اور دینی جہد و محنت کے ساتھ وابستہ ہوتی تھیں۔ اور دعوت کے پہلو بہ پہلو ان کی شخصی زندگی کے فرائض کی تکمیل ہوتی تھی۔ اب جب کہ امت محمدیہ مرحوم انبیاء علیہم السلام کی نائب بن کر آئی ہے۔ اسے بھی تربیت و اصلاح کا ایسا دستور

بخشایا جس میں امت کے اجتماعی و انفرادی فرائض و اعمال میں دوئی و غیرت نہیں رہی بلکہ دونوں قسم کے احکام کوام اور ایک دوسرے کے بیک وقت معین و مددگار ہیں یہ اس لئے ضروری تھا کہ امت کی بعثت کے مقاصد کی تکمیل اور دعوت الی الخیر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس کے افراد کی شخصی تربیت و اصلاح، روحانی ترقی و معاشی ضروریات کا بھی سامان ہو سکے چنانچہ امت مبعوثہ کو وہ طریقہ حیات عطا فرمایا گیا، جس میں وہ دعوت و تبلیغ کے فرائض منصبی کو ادا کرتے ہوئے اپنے شخصی و ذاتی اعمال میں مشغول ہو، اور اجتماعی و انفرادی کسی حیثیت میں دعوت و تبلیغ کو ثانوی درجہ نہ دے، اجتماعی حیثیت سے دعوت کی اولیت و مقصودیت آیت ”رَكُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ“ پر غور کرنے سے اور انفرادی

حیثیت سے آیت :-  
 وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا  
 إِلَى اللَّهِ وَعِلِّمُ صَالِحًا وَقَالَ  
 إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ  
 اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی  
 ہے۔ جس نے بلایا اللہ کی طرف  
 اور کیا نیک کام اور کہا میں  
 حکیم و راہبر ہوں، (حکم السجدہ)

پر تدبیر سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔ اس امت اور اس کے افراد کی تربیت و ترقیات کا میدان ذاتی اعمال کی اصلاح کے ساتھ دعوت کی راہ میں جہد و محنت کو قرار دیا گیا، اور یہ امت کا امتیاز خاصہ ہے۔ ورنہ اہم سابقہ کے افراد کی محنتیں اپنی ذاتی نجات کی ہی کوشش پر عموماً موقوف ہوتی تھیں، اور وہ اپنے ذاتی اعمال کے بجا آدمی کے بقدر ترقیات پر فائز ہوتے تھے، اخیر الامم (جو اقوام عالم کی طرف مبعوث ہے) کو پوری امت و انسانیت کی اصلاح و فلاح کا نصب العین و فکر و عطا فرما کر پوری انسانیت کی نجات کے لئے سعی و محنت کرنے والا بنایا گیا۔

۵ مسلمان غم و رول خبریدن

چوں سیلاب از تپ یاراں پسیدن

۵ حضور ملت از خود در گزشتن

وگر بانگ انا الملت کشیدن

اب اس امت کے افراد ذاتی اصلاح کی فکر و کوشش کے ساتھ جس قدر اخلاص و نہاج نبوی م کے مطابق دعوت الی اللہ اور دین کی اشاعت میں سرگرم ہوں گے، ان کے باطنی جواہر چمکیں گے، ملکات قدسیہ نکھریں گے، نصرت الہی اور فیوض نبویہ م سے مالا مال ہوں گے، اور ذاتی و ملی صلاح و اصلاح کی دو گونہ کوشش ان کے دینی و دنیوی درجات کو بلند کرے گی، غرض حکمت الہی نے امت مسلمہ کی تربیت و اصلاح کا وہ طریقہ متعین فرمایا، جو سب اس کے شخصی و اجتماعی، ذاتی و ملی مقاصد کے پورا ہونے اور فرد و جماعت دونوں کی اصلاح تمام پر حاوی ہے،

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ

بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ

يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَهُمْ

الصَّالِحُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ

وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ

اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

ایمان والے مرد اور ایمان والی

عورتیں ایک دوسرے کے مدد

سکار ہیں نیک باتوں کا حکم دیتے

ہیں، اور بری باتوں سے روکتے

ہیں، اور نازکی پابندی رکھتے ہیں

اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور

اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں،

ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحم کرے

کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ غالب

حکمت والا ہے۔

(التوبہ — ۹)

یہاں امت کے فرضیہ منصبی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مقدم بیان فرما کر اس کے اعمال شخصیتہ نماز زکوٰۃ اور اطاعت الہی اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ مومنین اپنی ملی ذمہ داری کو اپنی ذاتی اصلاح والے اعمال کے ساتھ برابر ادا کرتے رہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ ان کے فرائض منصبی سے غفلت ہو جائے۔ یا وہ اپنی ذاتی اصلاح میں کوتاہی برتنے لگیں، سورۃ العصر میں بھی انہیں لوگوں کو دائمی خسارہ و نقصان سے مامون قرار دیا ہے جو ایمان و اعمال صالحہ (شخصی اعمال) اور تو اوصی بالحق و تواصی بالصبر (اجتماعی اعمال) کے جامع ہیں۔ اس بنا پر پوری امت پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو فرض قرار دیا جیسا کہ نصوص کثیرہ سے ثابت ہے۔

امام رازی و علامہ نجوی اپنی تفاسیر میں لکھتے ہیں،

ان الله اوجب الامر بالمعروف ونهى عن المنكر على كل الامة  
ففي قوله تعالى كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ (الآخِر) (تفسیر کبیر جلد سوم ص ۱۹)  
معالم التنزيل جلد اول ص ۳۳

اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر تمام امت پر اپنے قول کنتم خیر امتیہ کے مطابق واجب قرار دیا ہے۔

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

من رأى منكم منكراً فليغيره  
تم میں سے جو شخص بڑائی کو دیکھے، اسے

بیدہ فان لم یستطع فیلسافہ  
 فان لم یستطع فیقلبہ و  
 ذلک اضعف الایمان  
 (صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۵)  
 (معالم نبوی ج ۱ ص ۳۳)  
 ہاتھ سے بدے (رد مک دے) اگر  
 یہ طاقت نہ ہو تو زبان سے منع  
 کر دے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے  
 تو دل (کی ہمت و توجہ سے) اسے بدلے  
 اور دور کرنے کی کوشش کرے، اور یہ  
 آخری بات ایمان کا ضعیف ترین درجہ

احمد و مسلم کی اس قسم کی ایک اور روایت میں ہے۔  
 ومن جاہدہم بقلبہ فہو  
 موئن ولیس وراؤ ذالک  
 من الایمان جتہ جزدل  
 کثر الاعمال جلد دوم ص ۵۸  
 بروایت ابن مسعود (م)  
 جس نے ان برائی کرنے والوں  
 سے سب سے آخری درجہ میں دل کی  
 ہمت و توجہ سے، جاہد و محنت کی  
 (کر وہ برائی دور ہو جائے) تو وہ بھی  
 مؤمن ہے اور اس کے بعد رائی کے  
 دانے کے برابر بھی ایمان کا (وجود یا  
 یا درجہ) نہیں

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث سے امت کے ہر فرد پر اس کی طاقت کے مطابق  
 امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وجوب ثابت کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۳۹)

اسی طرح ہر شخص کو اپنے اپنے دائرہ اقتدار  
 میں اثر میں ذمہ دار و مسئول ٹھہرایا کہ وہ اپنی پوری

**شخصی مسئولیت**

قوت و طاقت، اثر و رسوخ کے بقدر انہیں منہات سے روکے گا۔ اور نیکی اور



اور احکام کی پابندی پر انہیں گامزن کرنے کی کوشش کرے گا، اور اپنی زیر نگرانی  
اشیاء کی حفاظت و استحصال احکام الہی کے مطابق ہوگا۔  
مشہور حدیث ہے :-

قال صلی اللہ علیہ وسلم  
کلکم راعٍ ومسئولٌ عن  
رعیتہ فالامیر الذی  
علی الناس راعٍ علیہم  
وہو مسئول عنہم والرجل  
راعٍ علی اہل بیئہ وہو  
مسئول عنہم والمرأۃ  
راعیتہ علی بیت بعلہا  
والعبد راعٍ علی مال سیدہ  
وہو مسئول عنہ الا فکلکم  
مسئول عن رعیتہ  
(صحیح بخاری عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ۳۴/۱)

فرمایا، تم میں سے ہر شخص راعی  
رکھو لا (یا نگہبان و ذمہ دار ہے) اور  
اس سے اس کی رعایا کے متعلق  
سوال ہوگا، (کہ اس نے کہاں  
تک انہیں احکام الہی کے پابند  
بنانے کی اور برائیوں سے روکنے  
کی کوشش کی) اور مرد اپنے  
اہل خانہ کا ذمہ دار ہے۔ اس  
سے ان کے متعلق بائوپرس ہوگی  
عورت اپنے خاوند اور اولاد کی  
نگران ہے اور اس سے ان کے متعلق  
پوچھ ہوگی، اور غلام اپنے آقا  
کے مال کا محافظ ہے اس سے اس  
کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ پس

یاد رکھو کہ تم میں سے ہر شخص اپنے اپنے (دائرہ نفوذ و عمل) میں ذمہ  
دار ہے اور اس سے اپنی متعلقہ رعیت کے متعلق سوال ہوگا،

اس عمومی مسئولیتِ خاصہ کا یہ اصولی حضرت محمد رسول صلی اللہ  
علیہ وسلم نے ہی انسانیت کو بتایا، اور اپنی امت کا اسے امتیاز قرار دیا، اپنی

اپنی اہل و متعلقین اور ماتحتوں کی ذمہ داری اور اعمال کی نگرانی کے اس اصول کی تائید  
قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا  
اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور  
اپنی اہل (و دوزخ کی) آگ سے بچاؤ  
کہ انہیں نیکی کا پسند بناؤ اور برائی

سے روکو ۔ (التقریم - ۱)

مفسرین نے ”اہل“ میں اہل قربات اور مکرر ماتحت طبقہ کو بھی شامل کیا ہے  
گویا ہر مسلمان کو اپنے اپنے دائرہ میں خصوصی نگرانی و ذمہ دار مقرر کیا گیا ۔ کہ وہ برائی  
کے مٹانے اور خیر و بھلائی کے پھیلانے کے لئے حکمت و شائستگی سے اپنے  
پرہیز اختیار و قوت ، اقتدار و سرور کو اپنے حلقہ اثر اور ماتحتوں میں اتھال  
کمرے گا ۔ اور عللاً انہیں نیک بنانے میں کوئی کوتاہی نہیں کرے گا ، اور  
جہاں تک اس کا دائرہ اختیار و قوت وسیع ہوتا جائے گا ، وہ اپنی اسی کوشش  
کو پھیلاتا جائے گا ۔ یہاں تک کہ دنیا سے برائی کا نشان مٹ جائے

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے ،  
اس مسئولیت خاصہ اور اپنے اپنے حلقہ کی نگرانی کے علاوہ امت کے ہر فرد پر  
اس کے علم و استعداد اور استطاعت کے بقدر دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری  
ڈالی گئی ہے کہ وہ دین کو بقدر ضرورت جانے اور اس کا علم حاصل کرے  
اور اسے دوسرے تک پہنچاتا رہے ، صحابہ رضی اللہ عنہم کا تبلیغ کا شغف اور  
اپنے علم کو دوسرے تک پہنچانے کا جذبہ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ آج ان کے  
واقعات سن کر حیرت ہوتی ہے ۔

صحیح مسلم میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت مساذ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کی عمومی اشاعت سے احتیاطاً منع فرمادیا تھا کہ لوگ اس کا مطلب غلط سمجھ کر عمل سے غافل نہ ہو جائیں (

”ما من عبد يشهد ان لا اله الا الله وان محمداً عبداً ورسوله الا حترمه الله على النار“

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موت کے وقت کتمانِ مسلم کے گناہ سے بچنے کے لئے یہ حدیث بیان کر دی۔

(صحیح مسلم جلد اول ص ۶)

اسی طرح حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مضمون کی حدیث کی اشاعت نہیں کی تھی، مرض الموت میں روتے تھے، کہ ایک حدیث کی اشاعت نہ ہو سکی، آخر مرنے سے پیشتر بیان کر دی،

(صحیح مسلم جلد اول ص ۶)

غرض متعلقین کی مسئولیت خصوصی، تبلیغ و دعوت، اداء امر بالمعروف و نہی عن المنکر اشاعتِ علم کو ہر کہ و مہ کے لئے لازم قرار دیا گیا، اداء امت مبعوثہ کو اپنی منصبی ذمہ داری کے پورا کرنے کے لئے تعلیم و تعلم، تبلیغ و دعوت، نصرت دین، ہجرت و نافر کے وہ احکام عطا فرمائے گئے جس پر اس امت اور اسلام کی سرسبز و شادابی کا حار ہے۔ (علامہ جصاص رضی اللہ عنہ نے احکام القرآن باب فرض النفیرو الجہاد میں ان مباحث پر قابل دید بحث کی ہے جس کی نقل کی گنجائش یہاں نہیں) قرآن و سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی ان جملہ احکام و اعمال کے جاننے اور سمجھنے کے لئے ضروری ہیں، اشارہ عرض کرنا چاہتا ہوں، کہ مکی زندگی میں عموماً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انفرادی طور پر اپنے فریضہ منصبی کی ادائیگی میں مشغول تھے، اور اس کے لئے ہر طرح کے مصائب و آلام کو سہمہ

رہے تھے، ہجرت کے بعد صحابہؓ انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں سے دین کے واسطی  
 وسیع پای، معلم و متعلم راہ ہدایت کے رہنما و سپاہی تھے، ایک طرف ان کی جماعتیں بے طلبیوں  
 میں دین کی طلب و شوق اور کفار میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کر رہی تھیں تو دوسری طرف  
 ان کے افراد و خود دین سیکھنے اور سیکھ کر دوسروں کو سکھانے میں مشغول تھے،  
 یہاں تک کہ بقول مافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح مکہ کے بعد یہ حالت ہو گئی تھی،

انما فتح لہا فتحت با دست	فتح مکہ کے بعد تمام عرب نے اسلام
العرب باسلامہم فکان	کی طرف نہایت تیزی سے قدم بڑھایا
کل قبیلۃ ترسل کسیراھا	ہر قبیلہ اپنے سرداروں کو بھیجتا
لیسلموا یتعلموا و یوحوا الی	تھا، کہ جاکر اسلام لائیں، اور علم
قومہم یندعوہم الی	حاصل کر کے لوٹیں، اور پھر انہیں
الاسلام و یعلموہم	اسلام کی دعوت دیں، اور دینی تعلیم
(فتح ابوری ۵، ۱۵۲)	سے روشناس کریں۔

مسجد نبویؐ، بلکہ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینۃ العلم والارشاد بن چکا تھا  
 جس کا امی معلم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تدوینوں کی جماعت کے ساتھ شب و روز دین  
 کی دعوت و اشاعت، تعلیم و تعلم، تزکیہ و تذکیر میں مشغول تھا، مسجد نبویؐ ہر وقت تبلیغ  
 و ارشاد کی مجلسوں، علم و ذکر کے حلقوں اور دین کی اشاعت کی سرگرمیوں، بیرونی  
 و خود کی آمد، اور تبلیغی و خود کی خیریتی اور جہد و جہاد کے چرچوں سے آباد تھی  
 غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت مبعوثہ کی تربیت میں ہمہ تن مصروف  
 تھے، اور امت ان ذمہ داریوں کے سمجھانے کے لئے ہمہ وقت تیار تھی،  
 چنانچہ خیر الامم کے اس پہلے طبقہ (صحابہ رضی اللہ عنہم) نے اپنے شخصی فرائض کی ادائیگی  
 کے ساتھ اپنے فرائض ملی کو اس خوش اسلوبی سے نبھایا کہ زمانہ انگشت بندھاں

اور انسانیت اُمینہ حیرت تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عالی شان احد بے نظیر کارنامہ پوری امت کے لئے نمونہ، دلیل اور روشنی کا مینار ہے۔

## امت کے دو گمروہ

غرض پوری امت کو دینی ذمہ داریوں سے گرا نبار کیا گیا، طوط و تبلیغ کا مقصد وفکر اور پوری انسانیت کی اصلاح کا درد عطا فرمایا گیا، احد بن حیث الامت نبوت کی نیابت کی ذمہ داری کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا، تاہم اسلام ایک فطری اور علی دین ہے، وہ خوش کن نظریہ نہیں، اس وجہ سے تقسیم کار کے اصول کے پیش نظر امت میں سے ایک جماعت کو خالص اور کلیتہً اسی کام کے لئے چن لیا گیا، جس کا کام اور مقصد اور مشغلہ زندگی ہی تسلیم و تعلم، دعوت الی الخیر، امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہو گا۔ وہ دگر مشاغل دنیوی میں مصروف نہیں ہوں گے، بلکہ ان کی زندگی نیابت نبوت اور پیمبرانہ وظائف کی تبعاً بجا آوری کے لئے وقف ہوگی، وہ دین کے علوم میں مہارت تامہ، تفقہ اور بصیرت حاصل کرنے میں پوری محنت و مشقت و کوشش کریں گے۔ اور حصول علم کے بعد اس علم کو عام کرنے، اور دعوت حق میں ہمہ تن و ہمہ وقت وجہ اللہ مصروف ہوں گے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیتوں کا منشا و مقصد ہے۔

(دیکھیے بیضاوی جلد سوم ص ۳۲، ابن کثیر جلد اول ص ۳۲، بحر المحیط جلد سوم ص ۲۲)  
(تفسیر کبیر جلد چہارم ص ۷۶)

## ۱) علماء اور واعیان حق کا طبقہ

وَلَا تَكُن مِّنْكَذِبَاتٍ تَذْعُنُونَ  
إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ  
احد بہرہ میں ایک ایسی جماعت جو خیر  
ہی کی طرف بلائی رہا کرے، انکی کا حکم

وَيَهْدُونَ عَنِ الضَّلَاسَةِ أَفُولًا  
الْمُتَحَنِّنِينَ

(آل عمران - ۱۱)

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيُغْفَرُوا  
ذُنُوبَهُمْ كَافَّةً فَلََوْلَا نَفَسٌ مِنْ  
كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ  
لَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلَتُنذِرُوا  
أَقْوَامَهُمْ إِذَا رَجَعُوا  
إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ  
(التوبة - ۱۵)

کرتی رہے اور برائی سے روکتی رہے  
یہی لوگ پورے کامیاب ہوں  
گے

اور مومنوں کو نہ چاہیے کہ سب کے  
سب (تحصیلِ علم یا جہاد کے لئے) نکل  
کھڑے ہوں، یہ کیوں نہ ہو، کہ ہر گروہ  
میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہو کر  
تاکہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں  
اور تاکہ درس و سناویں اپنی قوم کو  
ان کے پاس آویں، تاکہ وہ قوم (

مہینیات الہی اور جہل سے بچے) (اورد  
احتیاط رکھے)

پچھلی آیت کے ذیل میں امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

دلت الآية على انه يجب  
ان يكون المفسر والمفسر  
التفقه والتعلم دعوة  
الحلق الى الحق والارشادهم  
الى الدين والتقويم وصراط  
الاستقيم لان الآية تدل  
على انه تعالى امرهم  
بالتفقه في الدين لاجل انهم  
آيت وجوب پر اس طرح دلالت  
کرتی ہے، کہ تفقہ اور تعلیم سے  
مقصود مخلوق کی طرف بلانا ہو۔ اور  
ان کی دین تویم اور سیدھی راہ کی  
طرف رہنمائی کرتی ہو، اگر آیت کا  
مدلول یہ ہے کہ اس لئے تم نے  
تفقہ فی الدین کا حکم  
اس لئے دیا ہے کہ جب

اذارجعوا الى قومهم  
 انذروهم بالدين و  
 اولئك يحذرون (جہل  
 والمحصية ويرغبون  
 في قبول الدين فكل من  
 تفقه وتعلم لهذا  
 الغرض كان على النهج  
 القويم والصلط المستقيم  
 (تفسیر کبرج ۲ ص ۵۲)  
 قاضی بیضاویؒ نے بھی اس مفہوم کو ادا کیا ہے۔

(بیضاوی جلد دوم ص ۳۲)

یہ طبقہ علمائے امت، داعیان حق، ائمہ مجاہدین فی اللہ کا ہے جو اصلاً  
 انبیاء کے وارث ہیں، العلماء و ورثۃ الانبیاء و حدیث صحیح ہے :-  
 علامہ ابن قیمؒ نے الوابل الصیب میں لکھا ہے :-  
 علماء کا وہی طبقہ رسولوں کا حقیقی وارث اور انبیاء کا خلیفہ ہے جو دین کو  
 علماً و عللاً سنبھالنے والا، اور اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دعوت کو  
 دینے والا ہے۔

(الوابل الصیب ص ۷۶)

ظاہر ہے، خاصانِ خدا کا یہ گروہ اپنی دینی خدمات و سرگرمیوں کی وجہ  
 سے طلبِ معاش کے دھندوں میں سرگرداں نہیں ہو سکتا، وہ انبیاء و اصحاب  
 صفہ رضی اللہ عنہم کے مطابق تو کلاً علی اللہ بغیر کسی اشراف و سوال کے حسبہ اللہ عزوجل

دینی میں مصروف رہے گا، اور حقیقتاً اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے رزق کا سامان بہم پہنچائے گا، اور عالم اسباب میں ملت کے دیگر افراد کے ذمہ ان کی معاشی ضروریات کی بہم رسانی ہو گی، اصحاب صفہ کے تعلق آتا ہے :-

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُخْصُوا  
فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَاسْتَطِيعُوا  
ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسِبُهُمُ  
الْجَاهِلُ أَغْنَاءَ مِمَّنْ تَنْحَفِ  
تَعْرِفُهُمْ لِسِيْمُهُمْ  
لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ الْمَخَافَةَ

فقرات ان ناداروں کے واسطے  
ہے۔ جو بند کئے گئے ہیں، پنج  
راہ اللہ کے زمین میں ہل نہیں سکتے  
جانتا ہے ان کو جاہل دولت مند  
ان کے سوال نہ کرنے سے پہچانتا  
ہے تو ان کو ان کے چہروں سے  
نہیں مانگتے توگوں سے پٹ کر

(ابقرہ - ۳۷)

مفسرین نے "لَاسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ" کی تفسیر میں تصریح کی ہے کہ یہ اصحاب صفہ (رضی اللہ عنہم) کا گروہ ہے، جو قرآن کی تعلیم و تعلم میں مشغول رہتا تھا اور ہر جاد و سریر میں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکلا کرتا تھا (یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) تجارت، طلب معاش سرایت بیعتھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا (لا یستغنیون للتجارة وطلب المعاش) اور کسب کے لئے فارغ نہیں ہو سکتا تھا (لا یستغنیون للتجارة وطلب المعاش) (ابن کثیر ص ۳۲۲)

علامہ ابن قیم نے اصحاب کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے :-  
اصل الحصر المنع :- فتنوا أنفسهم من تصرفها في  
اشغال الدنيا - وعصرها على بذلها لله وفي سبيله  
یعنی الحصر کا اصل معنی روکنا ہے، یعنی ان لوگوں نے اپنے نفسوں کو دنیاوی

لے تفسیر فاذن ومعلوم التزلی ج ۱ ص ۳۲۲ لے التفسیر القیم ص ۱۱۱



اشغال میں مصروف کرنے سے روک دیا ہے۔ اور اسے صرف اللہ اور  
اس کے راستے (یعنی خدمات) دینی میں صرف کرنے کے لئے فاعل کر دیا

ہے،  
مراویہ ہے کہ علماء کا طبقہ ہر دنیاوی شغل سے بے نیاز ہو کر ہر وقت تعلیم و تعلیم  
دعوت و ارشاد، نفرو تبلیغ اور دیگر خدمات دینی میں مصروف رہے۔ تاکہ پوری امت کی  
طرف سے دینی ذمہ داری اور اس کے فرائض منصبی کی ادائیگی کا حق پورا ہوتا رہے، گویا  
عام اصطلاح میں فراغت کے ساتھ علم و دعوت کے لئے وقف ہو جانا فرض کفایہ ہے،  
جو اگر امت کا ایک طبقہ اس طرح ادا کرتا رہے، کہ ضروریات دینی کا حق ادا ہوتا رہے تو  
باقی امت ذمہ داری ادا گناہ سے سبکدوش ہو جاتی ہے۔ ورنہ سب گناہگار ہوتے  
ہیں، بھلا علماء اور داعین حق کا یہ گروہ اسلامی نظام و دعوت و ہدایت کا مرکزی نکتہ  
و محور ہے، یا یوں کہیے کہ امت کا دل و دماغ ہے۔ جو پوری امت کی شریاتوں میں  
ہدایت کا خون پہنچاتا ہے۔ اور اسے علوم و دینیہ سے بہرہ اندوز کرتا رہتا ہے۔ امت کے  
عالمی تقاضوں کے بقدر، اس گروہ کا وجود ضروری ہے بقول شخصے،  
بد کردردوں کو سنبھالنے کیلئے لاکھوں تو ہوں۔

تاکہ امت اجابت کی داخلی تربیت و اصلاح تزکیہ و تسلیم کا محققہ بند و ملت ہو سکے  
اور امت دعوت میں تبلیغ اور اشاعت دین کی جملہ ممکنہ صورتیں بروئے کار آسکیں  
یہاں یہ بات واضح کر دینی ضروری ہے کہ اسلام میں علماء کا طبقہ کوئی موروثی اور نسلی  
گروہ نہیں، بلکہ امت کا ہر فرد اپنی محنت و قربانی سے یہ مقام حاصل کر  
سکتا ہے۔

## عامۃ المسلمین کا طبقہ

**خواص** کے اس طبقہ کے علاوہ دوسرا طبقہ عامۃ المسلمین کا ہے، جو اپنی معاشی ذمہ داریوں کی وجہ سے کلیتہً دین کے لئے فارغ نہیں ہو سکتا، ظاہر ہے کہ امت کی انتہائی اکثریت اس طبقہ میں ہوگی، جن کا اپنے دیگر مشاغل میں مصروف رہنا معاشی و دنیاوی تقاضوں کی بنا پر ضروری ہوگا، لیکن اسلام میں نری دنیا داری کا کوئی تصور نہیں، اس بنا پر اس طبقہ پر بھی فرض ہے کہ رضائے الہی کے حصول کیلئے اپنی اصلاح سے ایک لمحہ غافل نہ ہو، ذاتی و شخصی، دینی و معاشی تقاضوں کا ضروری علم و احکام اور طریقہ سنت کو سیکھنا اور معلوم کرنا رہے، کہ

طلب العلم فرض علیٰ (ضروری) علم کی طلب ہر مسلمان  
کلی مسلمین پر فرض ہے۔

دکنز الاعمال ص ۲۳ ج ۵

اپنے علم پر عمل کرے، اور اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کی کوشش کرتے ہوئے اپنے علم کے بقدر دین کی دعوت و تبلیغ میں مشغول رہے۔ اس بارے میں نصوص کثرت سے وارد ہیں، نمونہً ”چھ آدم پر گز رہی ہیں۔ اسی طرح اپنی مسئولیت خاصہ اور ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اپنے ال و عیال، تابعین۔ ماتحتوں کو منکرات سے روکے اور نیکیوں کی ہدایت کرے ان کی دینی و اخلاقی اصلاح کی فکر و کوشش اور ان کے معاملات و معاشرت کی درستگی کے لئے اثر و رسوخ، اقتدار و اختیار رکھیں بہت وقت سے استعمال میں لائے، تاکہ اس کے دائرہ اثر میں نیکیاں پھیلیں اور برائیوں کا انسداد ہو، مزید برآں اللہ تعالیٰ کی رضا و نسیاء کی اتباع اپنے منصب ملی کی ادائیگی اور اپنی اصلاح کی نیت سے قریب و بعید جیسے بھی حالات و ظروف اجازت دیتے ہوں

وفود کی شکل میں یا انفرادی طور پر مہنہ چ نبوت کے مطابق دعوت کے لئے "خروج و فخر" نصرت  
 دینی و عرضی، کی پیرائے سنت کو پورا کرتا رہے۔ کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) انفرادی اور وفود کی  
 شکل میں تبلیغ دین اور فروغِ ہدایت کے لئے نزدیک و دور باقاعدہ اور ہمیشہ نکلتے رہے  
 ہیں۔ جیسا کہ اہل علم سے مخفی نہیں، لیکن اس کے آداب و شرائط ہیں جو اہل علم اور دینیان  
 حق سے علما و علماء معلوم ہو سکتے ہیں۔ دین کے علم اور دعوت کے اصول و مبادی تعلیم یا صحبت  
 کے ذریعے سیکھے بغیر ہر دینی کوشش لغزش پا کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لئے ایسی  
 کسی تحریک و کوشش سے پیشتر ایک مرتبہ چار چھ مہینہ تبلیغ و دعوت کے تجربہ  
 کاہوں اور خواص کے ساتھ گزار کر ان کی صحبت میں دعوت کی علما و علما مشتق کر لینی بہت  
 ضروری ہے، تاکہ آئندہ اپنے علم و فہم کے مطابق صحیح رخ سے دین کی اپنی  
 استعداد کے بقدر خدمت انجام دے سکے۔ عامۃ الناس کا یہ طبقہ دینی فرائض  
 و اعمال، ملی ذمہ داریوں اور تقاضوں سے بری اور فارغ نہیں قرار دیا جاسکتا، پہلا  
 طبقہ اصل ہے اور یہ طبقہ اس کے اعضاء و جوارح کی حیثیت سے اپنی استعداد کے بقدر  
 ان کی رہنمائی میں شخصی اصلاح اور دینی خدمات، امر بالمعروف نہی عن المنکر، دعوت الی  
 اللہ کے فرائض اپنی بساط کے مطابق انجام دیتا رہے گا، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم  
 کا معمول تھا۔

پہلا طبقہ کلیۃ خدمتِ دین کے لئے فارغ ہو گا۔ اور یہ طبقہ اپنی معاشی  
 اور کاروباری مصروفیات میں احکام شریعت کے مطابق مصروف رہتے ہوئے اپنے  
 اپنے دائرہ میں اپنے علم و استعداد اور صلاحیت کے بقدر دعوت و اقامت و نصرت  
 دین کے فرائض کی ادائیگی میں مشغول رہے گا۔

علامہ ابن کثیر رحم نے ان دونوں طبقات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے  
 "ولکن منکد امۃ" کی تفسیر میں لکھا ہے۔

يقول الله تعالى منكم امة متصية  
 للقيام بامر الله تعالى في  
 الدعوة الى الخير والامر با  
 لمعروف والنهي عن المنكر و  
 اولئك هم الفالحون، قال الفحاك  
 هم خاصة الصحابة وخاصة  
 الرواة يعني المجاهدين و  
 العلماء والمقصود من هذا  
 الاية ان تكون فوفية من  
 هذه الامة متصدية لهذا  
 الشان وان كان ذلك و  
 جبا على كل فرد من الامة  
 بحسبه .  
 (تفسير ابن كثير ج ٣ ص ٣٩٠)

الله تعالى کہتا ہے، تم میں سے ایک  
 گروہ اللہ تعالیٰ کے دعوت الی الخیر،  
 امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے  
 حکم کی اقامت کے لئے بالکلیہ کھڑے  
 ہونے والا ہو اور وہی فلاح  
 پانے والا گروہ ہوگا۔ ضحاک  
 کا قول ہے، یہ خاص صحابہ و افراد  
 خاص راویوں یعنی مجاہدین و علماء کا گروہ  
 ہے۔ اور اس آیت سے مقصود یہ ہے  
 کہ اس امت کا ایک طبقہ پس اسی کام  
 کا ہو رہے۔ گو کہ یہ فرانس امت کے  
 ہر فرد پر اس کی استعداد کے بقدر فرض  
 ہے۔ علماء امت پر

## دونوں طبقات کی دینی ذمہ داریاں

غرض علماء امت پر اصلاً اور عامۃ المسلمین پر تبعاً علم وین کا حصول، اس پر عمل اور اس  
 کی دعوت اپنے اپنے مقام پر اور علم کے مطابق لازم ہے۔ ہم نے امت کے ان دو طبقات  
 کے متعلق جو عرض کیا، امام غزالیؒ کی ایک تحریر سے اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی  
 اعلم ان کل قاعدا فی بیتیہ اینا  
 کان فلیس خالیاً فی هذا الزمان  
 یہ بات سمجھ لو کہ اس زمانے میں جو شخص  
 جہاں بھی گھر بیٹھا ہوا ہے، لوگوں کو راہنشاہ

عن منكر من حيث التقاعد  
 عن اوشاد الناس وتعليمهم  
 على المعروف فانكر الناس جاهلون  
 بالشرع في شروعا الصلوة  
 في ابداء فكيف في التمسك  
 والجهادى ومنهم الاعراب  
 والاكراد والتركمان  
 وسائر اصناف الخلق وحب  
 ان يكون في كل مسجد  
 وحلة من البلد فقيه لعلم  
 الناس دينهم وكذا في كل  
 قرية وواجب على كل فقيه فرع  
 من فرض عينه وتفرغ  
 لفرع الكفاية ان يخرج الى  
 من يحاور بلده من اهل  
 السواد ويلهمهم وفرائض  
 شريعتهم .....

و تعلیم اور نیکی پر آمادہ کرنے سے قاصر  
 رہنے کی بنا پر گناہگار ہے، حالت یہ  
 ہے کہ اکثر لوگ شہروں تک ناز کی شرعی  
 شرائط سے جاہل ہیں پس اسی سے  
 اندازہ لگائیے کہ دیہات اور صحراؤں اور  
 بدوی، کرو، ترکمان، اور دیگر انسان  
 طبقات کا کیا حال ہوگا، شہر کی مسجد  
 و محلہ میں ایک فقیہ (یا عالم) کا ہونا  
 واجب ہے جو لوگوں کو دین کی تعلیم  
 دیتا رہے۔ اسی طرح ہر گاؤں میں  
 بھی ایک عالم کا ہونا واجب ہے اور  
 جو عالم بھی اپنے فرض عین سے فارغ  
 اور فرض کفایہ کے لئے فرصت رکھتا  
 ہو اس پر واجب ہے، کہ اپنے شہر  
 کے اس پاس کے بستیوں میں جا جا کر  
 لوگوں کو دین کی باتوں اور شریعت کے  
 فرائض کی تعلیم دیتا رہے۔ اس  
 بارے میں عالم کا قصور (اثرشاد و  
 تعلیم) کے لئے نہ نکلتا ہے اور  
 مای کا قصور علم نہ حاصل کرنا ہے اور پھر  
 وہ مای جو ناز کی شرائط کو جانتا ہو پھر

غیرہ والا فهو شریک فی  
 الاثم ومعلوم ان الانسان  
 لا یولد عالم عالم بالشرع  
 وانما التبلیغ علی اهل العلم  
 فکل من تعلم مسئلة  
 واحدة فهو من اهل العلم  
 بهما ولعمری الاثم علی  
 الفقهاء اشد لان قد تم  
 فیہ اظهر وهو بضاعتهم  
 البق لان المتخصص لو  
 ترکوا حروفهم لبطلت  
 المعاش فہم قد تقلدوا امر  
 الابد منه فی صلاح الخلق  
 وشارات الفقیہ وحرفہ  
 تبلیغ ما بلفہ عن رسول  
 (لہ صلی اللہ علیہ وسلم)  
 فان العلماء ہم ورثة الانبیاء

احیاء العلوم جلد ۲ ص ۲۲۶، ۲۲۷

لازم ہے کہ وہ دوسرے کو بتائے  
 ورنہ وہ بھی گناہ میں شریک ہو گا  
 اور یہ بات معلوم ہے کہ انسان شریعت  
 کا عالم پیدا نہیں ہوتا ہے اور تبلیغ  
 اہل علم پر واجب ہے۔ اور میں نے  
 ایک مسئلہ بھی سیکھا ہے، وہ اس مسئلہ  
 کا عالم ہے اور فقہاء (ملاو) عدم تبلیغ  
 پر بہت زیادہ گناہگار ہوتے ہیں کیونکہ  
 وہ اس کام کی زیادہ قدرت رکھتے ہیں۔  
 اور اسے بہت اچھی طرح انجام دے  
 سکتے ہیں دوسرے کا رد باری لوگ  
 اگر بالکل اپنے اپنے کاموں کو چھوڑ  
 کر اس میں لگ جائیں تو معاشی (برمی)  
 پھیل جائے جو انہوں نے اپنی ذمہ  
 لی ہے اور وہ مخلوق کی معاشی دہشت  
 کے لئے ناگزیر ہے (اس کے برعکس)  
 عالم یا فقیہ کی تو خاص شان اور  
 پیشہ ہی یہی ہے کہ جو کچھ اسے دیکھ  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہونچا ہے  
 اسے دوسروں تک پہونچا رہے ہے کہ  
 (یہی وہ کام ہے) جس کی وجہ سے

ولا یسقط الحرج ما دام یبقی  
 علی وجه الارض جاہل بفرض  
 من فرض دینہ و هو قادر  
 علی ان یسعی الیہ بنفسہ لولغیرہ  
 فیعلم فرضہ .....  
 ولا یقدم علی هذا الارض  
 عین او فرض کفایۃ ہوا  
 ہم منہ  
 (احیاء العلوم جلد ۲ ص ۳۳۶، ۳۳۷)

علماء و انبیاء کے وارث ہیں۔  
 اور جب تک روئے زمین پر ایک انسان  
 سبھی کی دینی فرض سے جاہل رہے گا۔  
 اور عالم کو قدرت ہوگی کہ خود جا کر یا  
 دوسروں کے ذریعہ اس کو بتلائے تب تک  
 وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہ قرار  
 پائے گا۔ اس کام کی ذمہ داری سے تہ  
 ہی سبکدوشی ہو سکتی ہے جب اس  
 کام سے بڑھ کر کسی فرض عین یا اہم  
 واقعہ فرض کفایۃ میں مشغول ہو۔

## — موجودہ دور میں ہر طبقات کیا کر سکتے —

پس

آج بھی ان دونوں طبقات کی ہمت و جرات، اور محنت و کوشش دین کی  
 نشاۃ ثانیہ کا سبب بن سکتی ہے۔

۱۔ بحمد اللہ تعالیٰ اس وقت عالم اسلام میں علماء و دانش کی اتنی تعداد موجود ہے  
 کہ گروہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہونے کے لحاظ سے صرف طالبین ہی کو علم و  
 مسائل سے آگاہ نہ کریں۔ بلکہ بے طلبوں، نادانوں، اور بے دین طبقہ میں بھی طرز  
 نبوت کے مطابق دعوت و تبلیغ کے فرائض ترتیب و تنظیم، حکمت و شفقت، درد  
 و فکر سے انجام دیں۔ تو پورے عالم میں روحانی انقلاب کی بنیاد ڈالی جاسکتی ہے۔

اس کے لئے بے مزد و مستندہ اللہ لا اسلمکم علیہ اجر ان اجرہ الا علی اللہ کے اجماعی نبوی جذبہ کے ساتھ دین کے داعیانہ جذبہ اور مبلغانہ عزم و ہمت بحمد اللہ آج معلمانہ اور مشیخت کار خ تو باقی ہے لیکن داعیانہ اور مبلغانہ عزم و ہمت شاذ ہے ضرورت ہے کہ ہمارے مدرس اور خالقائیں، طلباء میں تعلیم و تربیت کے ساتھ دعوتی و لمیہ کے احیاء کی بھی کوشش کریں کہ علماء کا اتفاق ہے کہ علم کا مقصد اپنے عمل کے علاوہ تبلیغ و ارشاد ہے۔ اس کے لئے طلباء کی ذہنی تربیت اور انبیا علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور داعیان حق کے دعوتی کارناموں اور مبلغانہ زندگی کا بغور مطالعہ ضروری ہوگا۔

مزید برآں انبیا علیہم السلام کے اصول دعوت و طرز تبلیغ و ارشاد کا علم و عمل لازم ہوگا۔ ضرورت ہے کہ شروع ہی سے طلبہ میں جہد و مشققت اور دعوت کے عملی پہلو کو زندہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں انفرادی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اہتمام کیا جائے اور دونوں اور عصر صحابہ ربہ کی طرح جماعتیں بنانا اگر کردہ و نواح میں دعوت و تبلیغ کے لئے اساتذہ کی نگرانی میں بھیجی جائیں کہ نبوی دعوت کا ایک اہم اصول عرض و فقر تھا، بے طلبیوں اور نادانوں میں جب یہ طبقہ دین کی بات پہنچائے گا تو اس کے یقیناً دو فائدے مرتب ہوں گے۔ ایک تو ان کی اپنی دعوتی مشق ہوگی، وہ عوام کے مسائل ان کے دینی تقاضوں سے واقف اور تبلیغ کے عملی پہلو سے آگاہ ہوں گے۔ دوسری طرف عامۃ الناس میں دینی شعور بیدار ہوگا، علماء و طلبہ کا رابطہ قائم ہوگا، اور اسلامی تقاضوں سے آشنا ہو کر دینی زندگی کے گزارنے والے بنیں گے۔ غالباً یہ کہنا بے محل نہ ہوگا، کہ حلبہ انبیا علیہم السلام کا طرز دعوت یہی ارشاد و اعطاف کا طریقہ اور سب طلبیوں میں جا کر دین کی بات پہنچانا تھا، اس سنت کی ادائیگی سے نہ معلوم کتنے اللہ کے بندے ہدایت



سے بھگتا ہو جائیں گے۔ یہ بات ضروری ہے کہ عمومی دعوت میں مختلف فیہ اور نرالی مسائل کو نہ چھڑا جائے۔ بلکہ متفق علیہ باتوں اور بنیادی اصول پر اکتفا کیا جائے۔ اختلاف کو مخالفت کا رنگ نہ دیا جائے۔ ایسا علیہم السلام کے اصول دعوت کا تتبع و اتباع ہر قدم پر ضروری ہے۔

۲ عامۃ الناس کے پڑھے لکھے اور ان پڑھے طبقہ کو دین سے آشنا کرنے کے لئے ایک اہم تقاضا مسجد کے مرکزی دیریتی نظام کا احیاء ہے۔ عصر سعادت میں مسجد ہی ہمارا اجتماعی دینی مرکز تھا۔ جہاں علم و ذکر کے حلقے، دعوت و تبلیغ کی مجالس و عبادت و عبودیت کی فضائیں امت کی ذہنی و فکری، علمی و علمی تربیت کی کفیل ہوتی تھیں، ہر مسجد بیک وقت مدرسہ بھی تھی، خانقاہ بھی تھی۔ دارالترغیب بھی تھی، دارالدعوة بھی تھی۔ ضرورت سے کہ مسجدوں میں ہمارا اہل فکر طبقہ تعلیم و تدریس، دعوت و تبلیغ کا نظم کرے، بوجھانے والے ہیں۔ وہ ناواقفوں کو سکھائیں، بونا واقف ہیں، وہ اہل علم سے استفادہ کریں، جو مسجد میں نہیں آتے انہیں توجیب و تشویش سے مساجد میں لایا جائے۔ دین کی اہمیت عبادت کا وزن، اعمال کی قیمت، اخلاق کی پاکیزگی، معاملات، کی صفائی معاشرت کی درستگی بتائی جائے۔ اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے دینی تقاضوں، دعوت و تبلیغ اور امت کے فریضہ منصبی کی ادائیگی کے لئے ایثار و قربانی معاشرہ کی اصلاح اور امت کی نلاح کے لئے متفکر کیا جائے۔ ہر مسجد اپنے محلہ اور پھر قرب و لنواح کے علاقے میں دعوت و تبلیغ و امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے رہی ہو۔

غرض مسلمان بننے اور بنانے کے جو شرعی حکیمانہ و معقول طریقے ہوں ان کے سمجھنے سمجھانے اور عام کرنے اور اے وظیفہ زندگی بنانے کے لئے

پذری سہی کیا جائے۔ تاکہ امت پھر سے اپنے کو پہچانے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ و  
وسلم کے اعمال و دعوت کو اپنا کر حیات تازہ سے سرفراز ہو۔

کیا قیامت ہے کہ وہ داعی امت جو اس قدر عظیم ذمہ داریوں سے گراں بار ہے  
اپنے مقصد کو بھلا کر اپنے فرائض منصبی و وظائف ملی سے غافل ہو کر دنیا کے سفلی  
تقاضوں میں ایسی الجھی کہ داعی کے بجائے مدعو اور امام و مبعوع سے تابع  
اور مقتدی بن کر رہ گئی۔

روہی ہے آج ٹوٹی ہوئی مینا سے  
کل تک گردش میں جس ساتی کے پیمانے رہے

## موجودہ دینی انحطاط اور اس کا بڑا سبب

موجودہ دور میں ملت اسلامیہ پورے عالم میں جس دینی انحطاط و اضطراب  
کا شکار ہے۔ اس کی مثال پوری تاریخ اسلامی میں نہیں ملتی۔  
متابع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی  
یہ کس کافر و کافرا کا غمزنہ خونریز ہے ساتی !

امت جب زندہ تھی۔ اور اپنے فرائض منصبی و دعوت الی اللہ، امر بالمعروف  
نہی عن المنکر اور ہدایت رسانی خلق کی ادائیگی میں مصروف و مشغول تھی۔ مگر اقوام مل  
اسلام کی حقانیت اور داعیان حق کے اخلاق و اعمال سے متاثر ہو کر حقوق درجوق اور  
گرمہ درگرمہ اسلام میں داخل ہوتی تھیں، اور یہ بدخلون فی دین  
اللہ، افواجاً کا منظر پیش کرتی تھیں۔ ان کا تازہ نمونہ امت کی رگوں  
میں دوڑتا تھا۔ اور یہ لافانی اور جاودانی امت حیات تازہ پانی تھی بارگاہ سیاسی  
فائزین کو امت کے داعیانہ مزاج اور تبلیغی جہد و ہمت اور روحانی تصرفات

وزیر اے نے مفتوح اور دین کا خادم بنا دیا جس کی سب سے نمایاں اور مشہور مثال  
تاتاری و منگول ہیں، جو دہلی اسلامیہ اور خلافت عباسیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا  
دینے کے کچھ صد بعد اسلام کے داعیانہ اثر سے مسلمان ہوتے ہیں۔ اور ترکان عثمانی اور  
ترکان تیموری کے نام سے پانچ سو سال تک اسلام اور مسلمانوں کا پرچم بلند  
رکھتے ہیں۔

جب سے امت کا دعوتی اور ملی شیرازہ بکھرا، اور امت اپنے منصب اور  
اس سے پیدا شدہ تقاضوں اور مسائل کو بھلا بیٹھی۔ اور اپنے آپ کو دنیا کی عام اقوام  
کی طرح ایک قوم سمجھنے لگی۔ اس کے شاہوں اور حکمرانوں نے تاج و باج و  
خراج کو مقصود گردانا، علماء و مشائخ نے عزت نشینی اور مخصوص حلقوں میں تسلیم اور  
طالبین کی اصلاح پر اکتفا کر لی۔ عام امت نے غفلت و قعود کو شعار بنالیا،  
امت بانجھ ہو گئی۔ اقوام کا داخلہ اسلام میں سن میت الحماۃ بند ہو گیا۔ بلکہ پوری  
امت پر مروجی جھانگی، مسلمان بے یقینی، عقائد میں تسزلزل اور کردار و اعمال کی خرابی  
کا شکاہہ ہو گئے۔ کرامت کا نفس ناطقہ، اس کا ایمانی شعور، اس کا دینی ذمہ داری کا  
احساس اور اس کا داعیانہ خاصہ تھا جس کی پڑمردگی نے اس باغ کو مر جھا کر  
رکھ دیا ہے

وائے ناکامی متاع کارواں جاہلار

کلہواں کے دل سے احساس زیال جاہلار

اے اسیدہ اش بے سوز و جانش بے غروش

اوسر افیل ارت و صمد او خموش

امت کی اس غفلت و کوتاہی اور فرض ناشناسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے عالم

اسلامی قیادت و امامت ابھی رہنمائی اور نبوی تعلیمات سے محروم ہو گیا، اور انسان کی

عقل و ذہنی، روحانی و مادی قیادت، خدا آشنا، آخرت فراموش، روح ناشناس،  
بے یقین، مردہ دل، دنیا طلب، مادہ پرست مغربی اقوام کے ہاتھ آگئی۔

ع  
ہم تو خیر صحت ہوئے اور اُنوں نے سنبھالی دنیا  
اور پورا عالم دینی بدلیات و برکات کے نور و اثرات سے خالی اور مادیت اور خدا فراموشی کی ظلمت  
سے شرب تاریک بن کر رہ گیا۔

## امت کا سب سے اہم و اقدم مسئلہ

اس وقت امت کے لئے سب سے اقدم و اہم مسئلہ اس کے دینی شعور  
و ایمانہ مزاج، تبلیغی حاسہ، ایمانی حیثیت و غیرت، اسلامی فکر اور منیباتِ حقہ پر یقین  
کے احیاء کا ہے۔ تاکہ پھر سے مسلمانوں میں امتِ مہوشہ کی حیثیت سے اپنے فرائض  
منصوبی اور مفوضہ و وظائف کی ادائیگی کا راعیہ و تقاضا زندہ و بیدار ہو اور صحابہ رحمہ کی  
طرح امتِ ایمان و یقین، اعمالِ صالحہ و اخلاقِ فاضلہ سے مزین ہو کر نیابتِ نبوت اور  
ہدایتِ رسالتِ خلق کی ذمہ داری کو پورا کر سکے۔ اگر امتِ دعوت الی الخیر، امر بالمعروف و  
نہی عن المنکر کے فرائض کے ادا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ تو اس کی بہشت کا  
مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنی امتیازی حیثیت سے محروم ہو جاتی ہے۔

ایرالمینین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد اس بارے میں قول فیصل ہے۔ آپ نے  
چند در دعاۃ، کوچ کے موقع پر دیکھا۔ آپ نے آیت کنتم خبیرو  
أُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ پڑھی اور ارشاد فرمایا

ہیں سب سے ان کیوں من ہذہ

یعنی جو شخص پسند کرتا ہے کہ اس غیر لازم میں

الامۃ فلیسوا بشرط اللہ فیہا

سے ہوتا ہے اس کی شرائط کو پورا کرنا چاہیے

یعنی اسے اسر بالمعروف نہی عن المنکر وایمان باللہ کی صفات سے متصف ہونا چاہئے۔ خود کیجئے  
جب سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کو کہا جاتا ہے۔

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک ۱ اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اتار رہا ہے  
من ربلک وان لم تفعل فمأ  
بلغت رسالتہ

(رسالت)

(الکافہ)

گویا تبلیغ و رسالت، کو مراد قرار دیا، اگر امت محمدیہ اپنے فرض منصبی  
کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گی، تو یقیناً اس غفلت پر اپنی خاص حیثیت کھو دے گی اور نصرت  
الہی، سرفرازی و ظلال کے ان دعووں سے محروم ہو جائے گی، جو اس منصب کی وجہ سے  
اس کے ساتھ کئے گئے تھے۔

آج امت کے نظریہ اساسی میں جو عموماً بگاڑ گیا ہے۔ اور اپنے مقصد  
حیات کو بھول چکی ہے۔ اس کی ایسا دے کے لئے پھر سے امت کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم  
کے طریقہ دعوت و تربیت اور نظام اصلاح و ظلال کو اپنانا ہو گا جس کے کچھ اجمالی اشارہ  
گذر چکے ہیں۔ کہ مزاج و طریقہ نبوت قوام ملت ہے۔ کتاب اللہ نہ صرف کتب ہدایت  
بلکہ صحیفہ نظام ہدایت اور طریقہ دعوت بھی ہے۔ قرآن نہ صرف دعوت ہے، بلکہ طرز  
دعوت بھی سکھاتا ہے۔ اس طرح اسوہ نبویہ نہ صرف امت کے لئے نمونہ ہدایت ہر  
بلکہ آپ کا طرز دعوت و تربیت بھی تاقیام اساتذہ ہدایت رسالت کا افضل و اکمل آئینہ و  
اعلیٰ اور موثر ترین طریقہ ہے۔ امت آج جس بے یقینی، غفلت غلط رویہ اور بے عملی  
بلکہ بد عملی کا شکار ہو چکی ہے۔ اس کا علاج اپنی اصلاح کے ساتھ دعوت و تبلیغ ایسا  
دین کے لئے جدوجہاد، محنت و کوشش، ایثار و قربانی کے وہی عزائم و اعمال  
میں جن کا نقش حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی رہنمائی میں صحابہ کرام رضی

اللہ عظیم نے ابتداء میں عالم پر مہر م کیا ہے۔  
 وہی دیرینہ بیماری وہی ناخوشی کی دلیل  
 علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی  
 امت اگر زندگی چاہتی ہے۔ تواسے پھر سے اسی دایمانہ جذبہ کو ہر قربانی کے باوجود  
 زندہ کرنا ہوگا، حالاتِ حاضرہ پر قناعت موت ہے  
 تاکجا بنے غیرت دین زبستان

اے مسلمان مروں امت اس زبستان  
 اسکے ہی نازی بہ قرآن عظیم  
 تاکجا در محرومی باشی مقسیم  
 در جہاں اسرار دین را فاش کن

نکتہ شرع مبہین را فاش کن  
 امت کا سوادِ اعظم، جہالت، غفلت، دینی تعلیم سے محرومی، دینی تعلیم  
 یا دیگر عوامل کی بنا پر دین سے بیگانہ ہوتا جا رہا ہے۔ اور جس طرح امت اپنی مسافرت  
 و تمدنِ تہذیب و شائے سے دور ہوتی جا رہی ہے، اور جس طرح اسلامی اخلاق  
 و معاملات مٹ رہے ہیں۔ عبادت تک میں بے اعتنائی عام ہو چکی ہے۔ اہمیت  
 عقائد تک میں تنزل آگیا ہے۔ اور جس طرح دنیا طلبی دین سے بے رغبتی،  
 الحاد و دہریت غفلت و بد عمل امت پر اپنا سایہ ڈالتی چلی جاتی ہے۔ اگر  
 امت پر ایسا حال چلے سکتی، سبک رفتاری، بلند ہمتی، عزمِ راسخ سے  
 اپنی جملہ استعدادوں، توانائیوں، بظاہری و باطنی مادی و روحانی قوتوں کو حفاظت  
 دین اسلام کلمۃ اللہ اور دعوتِ تبلیغ، افراد امت کی شخصی و اجتماعی اصلاح  
 کی طرف مرکوز نہ کیا تو خاکِ بدین اندیشہ ہے، کہ العیاذ باللہ

اسلام کی نام لیا موجودہ امت بنا کر نہ رکھ دی جائے اور یہ امانت  
دوسروں کے سپرد کر دی جائے  
(اللہم احفظنا)

